سہ ماہی امین شریعت بریلی شریف

خصوصی شمارہ

خانوادہ رضویہ کی فقہی و ادبی خدمات



- امام احمد رضا اور اصول افتاء
- فتاوی مصطفویہ کا ایک تجزیاتی مطالعہ
- استاذ زمن کی شعری خصوصیات
- حجۃ الاسلام اور فقہ و افتا
- تاج الشریعہ کی فقہی خدمات
- اصحاب لوح وقلم کی ناقدری

مدیر اعلیٰ
محمد اشرف رضا قادری



ناشر
تحریک امین شریعت بریلی شریف

WWW.MUFTIAKHTARRAZAKHAN.COM

وارثِ علوم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نبیرۂ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جانشین مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

جگر گوشۂ مفسرِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام
کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ
کے لئے وزٹ کریں

www.muftiakhtarrazakhan.com

/muftiakhtarrazakhan1011/

/muftiakhtarraza

+92 334 3247192

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

بیادگار: حضور امین شریعت حضرت مولانا مفتی محمد سبطین رضا خان علیہ الرحمہ، بریلی شریف

زیر سرپرستی: شہزادۂ امین شریعت حضرت علامہ مفتی محمد سلمان رضا خان صاحب مدظلہ العالی

Oct. to Dec. 2019

مذہبِ اہلسنت کا ترجمان یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

سہ ماہی امینِ شریعت
بریلی شریف

مجلسِ ادارت

مفتی محمد خالد علی رضوی شمسی
اردول بہار
علامہ سید اولاد رسول قدسی
امریکہ
ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری
پٹنہ
مولانا مفتی راحت خاں رضوی
بریلی شریف
مولانا محمد قمرالزماں مصباحی
پٹنہ
مفتی شمشاد حسین رضوی
بدایوں
مفتی محمد اختر حسین علیمی
جمداشاہی
مولانا انیس عالم سیوانی
مولانا محمد مفتی ذوالفقار خاں نعیمی
کاشی پور
مولانا نشتر فاروقی رضوی
بریلی شریف
مولانا مفتی مقصود عالم ضیائی
کرناٹک
مولانا محمد عبدالمالک مصباحی
جمشیدپور
مولانا شاہد القادری رضوی
کلکتہ

مجلسِ مشاورت

مولانا مفتی عسجد رضا خاں قادری
بریلی شریف
مولانا مفتی سید حسینی میاں اشرفی
ناگپور
مولانا عدنان رضا قادری
بریلی شریف
مولانا مفتی عاشق حسین کشمیری
مولانا حسیب رضا خاں قادری
بریلی شریف
مولانا عمران رضا خاں "سمنانی میاں"
بریلی شریف
مولانا حماد رضا خاں بریلی شریف
بریلی شریف
مولانا منصور فریدی بہار
مولانا مفتی شاکر علی رضوی مصباحی
کانکیر شریف
مولانا عتیق الرحمن رضوی
مالیگاؤں
الحاج ہارون عثمان صاحب
دھمتری
الحاج غیاث الدین عرف ثاقب رضوی
رائے پور
الحاج عبدالرشید رضوی
رائے پور
محترم عبدالصبور برکاتی رضوی
بریلی شریف

مدیر اعلیٰ
مولانا محمد اشرف رضا خاں قادری

مدیر
مولانا محمد سفیان رضا قادری

قانونی انتباہ!
کسی بھی طرح کی چارہ جوئی صرف بریلی کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔ مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

اس شمارہ کی قیمت ۱۰۰ روپے

AMEEN-E-SHARIAT RNI NO.: UPURD/2017/72176

Owner, Publisher & Printer Mohammad Ashraf Khan Printed at Faiza Printers, Bara Bazar, Bareilly (U.P.) Published from 110, Kanker Tola, Near Dargah Ameen-e-Shariat, Old City, Bareilly (U.P.) 243005 Editor Mohammad Ashraf Khan

حسن ترتیب

منظومات

نعت پاک

حشر میں ہو مرے نامہ کا معطر کاغذ

برادر اعلیٰ حضرت استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی علیہ الرحمہ

ہو اگر مدحِ کفِ پا سے منور کاغذ
عارضِ حور کی زینت ہو سراسر کاغذ

صفتِ خارِ مدینہ میں کروں گل کاری
دفترِ گل کا عنادل سے منگا کر کاغذ

عارضِ پاک کی تعریف ہو جس پرچے میں
سَو سیہ نامہ اُجالے وہ منور کاغذ

شامِ طیبہ کی تجلی کا کچھ احوال لکھوں
دے بیاضِ سحر اِک ایسا منور کاغذ

یادِ محبوب میں کاغذ سے تو دل کم نہ رہے
کہ جدا نقش سے ہوتا نہیں دم بھر کاغذ

ورقِ مہر اُسے خطّ غلامی لکھ دے
ہو جو وصفِ رُخِ پُر نور سے انور کاغذ

تیرے بندے ہیں طلب گار تری رحمت کے
سُن گناہوں کے نہ اے داورِ محشر! کاغذ

لبِ جاں بخش کی تعریف اگر ہو تجھ میں
ہو مجھے تارِ نفس ہر خطِ مسطر کاغذ

مدح رخسار کے پھولوں میں بسا لوں جو حسنؔ
حشر میں ہو مرے نامہ کا معطر کاغذ

☆☆☆☆

اداریہ

اصحاب لوح وقلم کی ناقدری

محمد اشرف رضا قادری

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کومختلف قسم کے علوم وفنون اور بہت سی حکمتیں اور ہنر ودیعت فرمائے۔ مدارس اسلامیہ کے فارغین بھی نوع بہ نوع کمالات اور خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ کوئی میدان خطابت کے شہسوار ہیں تو کوئی مفتی ومحقق ہیں۔ کوئی شعرو شاعری میں یدطولیٰ رکھتے ہیں تو کسی کو رب تعالیٰ نے لوح وقلم کی مہارت عطا فرمائی ہے۔ کسی کو درس وتدریس کا جوہر ملا تو کوئی امامت وخطابت میں کامیابی کا سفر طے کر رہے ہیں۔ ہر طبقے کے متعدد افراد ناقدری کے شکار ہیں، لیکن قلمکاروں کی اکثریت کو اس مشکل کا سامنا ہے۔

ارباب تحریر کو ان کی قلمی خدمات پر عموماً کسی قسم کا معاوضہ بھی نہیں دیا جاتا۔ وہ بلا کسی اجرت ونذرانے کے محض خدمت دین یا قومی خدمات کے نام پر اپنا تحریری سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ بہت سے عمدہ محررین کے مضامین ورسائل شائع بھی نہیں ہو پاتے۔ جن قلمکاروں کی تحریریں شائع ہوتی ہیں تو کبھی ناشر وپبلشر احسان بھی جتاتے ہیں، حالاں کہ صاحب تحریر کو ناشر وطابع کی جانب سے کوئی بدل خدمت بھی نہیں دیا جاتا۔ جو تحریر انہوں نے رقم کی ہے، وہ فی سبیل اللہ دینی خدمت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ناشر وپبلشر کا احسان جتانا بھی عجب محسوس ہوتا ہے۔

بسا اوقات اصحاب لوح وقلم پر یہ بھی الزام آتا ہے کہ کسی حرص وطمع میں فلاں کی مدح سرائی میں وہ رطب اللسان ہوئے ، حالاں کہ کسی کی سوانح نگاری یا کسی کے حیات نامہ کی ترتیب وتدوین کے وقت صاحب سوانح کے اوصاف حسنہ کا بیان لازمی طور پر کرنا ہوتا ہے۔ ان کی حیات کے مختلف گوشوں کو صفحات قرطاس پر منتقل کرنا ہوتا ہے۔

کبھی یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ مؤلفین اپنی کتابوں کی اشاعت کے لیے اہل ثروت سے کثیر رقم وصول کرتے ہیں اور بہت سی رقم اشاعت کے بعد بھی ان کے پاس محفوظ رہتی ہے۔ اس طرح اصحاب قلم نے حصول زر کی ایک صورت نکالی ہے۔

معترضین کا یہ خیال بھی غلط ہے، کیوں کہ ایک کتاب کی اشاعت پر اگر پچاس ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں تو طباعت واشاعت کے لیے متعدد لوگوں سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ ہر کوئی اس میں حسب مرضی حصہ لیتا ہے۔ اگر ایک ہی آدمی طباعت کا مکمل صرفہ ادا کردے ،اس کے بعد بھی دوسروں سے مطالبہ کا واقعہ درپیش ہو تو یہ ضرور قابل گرفت بات ہوگی۔ الحاصل بدگمانیوں سے پرہیز کیا جائے۔

یہ بھی خیال رہے کہ کسی کتاب کی طباعت پر صرف وہی رقم قابل شمار نہیں ہوسکتی جو پریس والے کو دی جاتی ہے، بلکہ کتاب کی کمپوزنگ، ایڈیٹنگ وغیرہ پر بھی رقم خرچ ہوتی ہے۔ اسی طرح طباعت کے بعد مختلف مقامات پر کتاب بھیجنے کے واسطے ڈاک خرچ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ الحاصل ارباب قلم کی حوصلہ شکنی سے پرہیز کیا جائے، کیوں کہ ہمارے یہاں تحریر وقلم کا شعبہ انتہائی کس مپرسی اور بے اعتنائی کا شکار ہے۔ محررین کو ہمت وحوصلہ دیا جائے، تاکہ تلافی مافات ہوسکے۔

مؤلفین ومصنفین نے ہی اسلامی تعلیمات کو نسل مابعد تک پہنچایا ہے۔ انسانی ذہن ودماغ قوی بھی ہو تو بھی اس میں خلل کے وقوع سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآنی آیات کے نزول کے بعد اس کی کتابت کا اہتمام فرماتے۔ عہد صحابہ کرام میں گرچہ ممانعت کے سبب احادیث طیبہ تحریر میں نہ آسکیں، لیکن عہد تابعین میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے احادیث مبارکہ کی تدوین وکتابت کا اہتمام شروع ہوا، پھر احادیث مقدسہ کے عظیم مجموعات جمع کیے گئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی تدوین فرمائی اور فقہی مسائل کو دفتروں اور رجسٹروں میں لکھوایا۔ رفتہ رفتہ حدیث وفقہ کے ساتھ دیگر علوم وفنون میں بھی تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا، جو آج تک جاری ہے۔ آج بھی محررین وقلمکاران خدمت دین ہی کے نیک جذبہ سے سرشار ہوکر دینی علوم وفنون اور مذہبی مسائل پر تحقیق وتدقیق اور تصنیف وتالیف کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ان کا مقصد اصلی رضائے الٰہی کا حصول ہی ہوتا ہے۔

ہاں، یہ بات بھی سچ ہے کہ بعض لوگ محض نام آوری اور شہرت وجاہ پانے کے واسطے قرطاس وقلم سے مراسم استوار کرتے ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود ہم کسی پر اسی وقت انگشت نمائی کرسکتے ہیں، جب ہمیں کم از کم ظن غالب حاصل ہوجائے کہ ان کا مقصد رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ اور ہے۔

خدمت قومی اور خدمت دینی کے جذبہ سے سرشار قلمکاروں کی پذیرائی ہونی چاہئے۔ ان کی قابل قدر تصانیف وتالیفات پر انہیں انعام واکرام سے نوازنا چاہئے۔ عہد حاضر میں بعض صاحبان تحریر کو مختلف ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا، ساتھ ہی بہت سے ایسے محررین ہیں جو انعام یافتگان سے بھی زیادہ عمدہ تحریری کارنامے کر دکھائے، لیکن وہ اعزاز واکرام سے سرفراز نہ کیے گئے ۔تاہم وہ دل برداشتہ نہ ہوئے اور اپنی راہ پر مسلسل رواں دواں ہیں۔

کیا بہتر ہوتا کہ ان فراموش کردہ اصحاب قلم کی بھی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کا سامان مہیا کیا جاتا۔ ملک بھر کے قلم کاروں کی فہرست مرتب کی جاتی۔ ان میں جو انعام واعزاز کے اہل ہوتے، انہیں ان کی عمدہ خدمات پر حوصلہ افزائی کی جاتی۔ اس طرح نسل مابعد کو ترغیب ملتی اور اصحاب قلم کو مزید دینی وقومی خدمات کا شوق جاگتا۔

ہمارے یہاں ہر طبقہ کے لیے معاش کے ذرائع موجود ہیں، مثلاً مدرسین کے لیے درس گاہیں موجود۔ خطباوشعرا کے لیے اسٹیج فراہم، لیکن قلم کاروں کے لیے کوئی مستقل روزگار نہیں۔ اس بے توجہی کے سبب کام اس قدر نہیں ہو پاتا، جتنا ہونا چاہئے تھا۔

ہم آج شکایت کرتے ہیں کہ سنی علمانے کتابوں پر حواشی اور شروح نہ لکھے۔ اسلامی تاریخ پر اردو زبان میں کوئی کتاب نہیں۔ فلاں موضوع پر کام نہ ہو سکا۔ اگر ماہر قلم کاروں کو فارغ البال کر دیا جاتا اور ان سے ان علوم وفنون کی تحریری خدمات حاصل کی جاتیں، جن فنون میں وہ بطرز احسن تصنیف وتالیف کی اہلیت وقابلیت رکھتے ہیں تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اصحاب قلم کو اپنی معیشت کی فکر خود کرنی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کام کتنا ہوگا، یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے بھی فروغ اہل سنت کے دس نکاتی پروگرام میں اس جانب خاص توجہ دلائی ہے۔ اگر اس دس نکاتی منصوبہ پر عمل کیا جاتا تو آج ملک ہند میں اہل سنت وجماعت کی کیفیت، موجودہ حالات سے بہت مختلف ہوتی۔ ہم نے حقائق پر غور نہیں کیا اور اس پوزیشن میں آ گئے۔

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا:

(الف) حمایت مذہب ورد بد مذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

(ب) تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کئے جائیں۔

(ج) جو ہم میں قابل کار اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو، لگائے جائیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ: جلد ۱۲ ص ۱۳۳ - رضا اکیڈمی ممبئی)

ملک ہند میں اہل سنت وجماعت کے یہاں قلم کاروں کا نہ کوئی اسٹیج ہے، نہ کوئی ان کی کفالت کرنے والا۔ جس طرح قومی رقم مختلف امور میں خرچ کی جاتی ہے، اسی طرح اس مد میں بھی خرچ کی جائے۔ اہل قلم بھی دینی ومذہبی خدمات ہی انجام دیتے ہیں۔ تاہم اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی جو مخلصین میدان قرطاس وقلم میں جمے ہوئے ہیں، وہ یقینا قابل مبارکباد ہیں۔

دینی ومذہبی کتابوں سے جتنے لوگ مستفید ہوتے ہیں، اس کا اجر وثواب مؤلفین کو عطا کیا جاتا ہے۔ یہ بھی صدقہ جاریہ کی ایک قسم ہے۔ جب تک وہ تصانیف موجود ہوتی ہیں، ان کے مؤلفین کا تذکرہ اور ان کی یاد زندہ رہتی ہے۔ گرچہ وہ دنیا میں موجود نہ ہوں، لیکن ان کی تحریری خدمات انہیں زندۂ جاوید بنا دیتی ہیں۔

تحریری کاموں کے لیے اصحاب قلم کا فارغ البال اور معاشی طور پر مطمئن ہونا ضروری ہے۔ ہر ایک قلم کار ارباب ثروت سے منسلک نہیں ہوتے، اس لیے ان کی تصانیف وتالیفات کی طباعت واشاعت بھی نہیں ہو پاتی۔ قابل قدر کتابوں کی تفتیش کے بعد اس کی اشاعت کا بھی نظم ہونا چاہئے۔ الحاصل ملک ہند میں اہل سنت وجماعت کے ذمہ دار افراد کو اس جانب توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔ تصنیف وتالیف کا ایک مستقل شعبہ قائم ہونا چاہئے، اور ماہر قلم کاروں کی جماعت سے ضروری موضوعات پر تصنیف وتالیف کی خدمات حاصل کی جائیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کی تحریری خدمات بہت زیادہ ہیں۔ ماضی قریب میں اتنا عظیم مصنف نظر نہیں آتا۔ آپ کی تصانیف وتالیفات کی تعداد ایک ہزار ہے۔ مذہب اسلام میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلمیذ رشید امام محمد بن حسن شیبانی اور خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی شافعی کی تصانیف کی تعداد بھی قریباً ایک ہزار ہے۔ یہ سب رب تعالیٰ کی رحمت اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا تھی۔ اس کے ساتھ کچھ ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں۔

امام احمد رضا قادری فارغ البال تھے۔ معاش کی فکر انہیں بالکل نہیں تھی۔ ان کے والد گرامی امام العلما حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے انہیں اپنی جائیداد سے ایک بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، تاکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز یک سوئی اور انہماک کے ساتھ دین متین کی خدمت انجام دیتے رہیں۔ جاگیر وجائیداد کی نگرانی اور گھریلو امور کی دیکھ بھال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے منجھلے بھائی استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں قدس سرہ العزیز سرانجام دیتے تھے۔ اس طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ القوی بے فکر ہو کر دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

اگر اسی طرح ارباب قلم کی کفالت کی جائے تو بہت سے تحریری کارنامے سرانجام پا سکتے ہیں۔ اکثر قلم کار اپنی معاش کے لیے کسی تعلیمی ادارہ سے منسلک ہوتے ہیں اور مدارس میں اتنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں کہ انہیں تحریری خدمات سرانجام دینے کی مہلت کم ہی ملتی ہے۔ درسی اوقات کے علاوہ بھی مدرسین کو طلبہ کی نگرانی، زیر درس کتابوں کا مطالعہ اور دیگر احکام کی بجا آوری کرنی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ان سے بہت زیادہ قلمی خدمات کی امید وابستہ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ مدرسین ہی میں بعض مخلصین کسی طرح محنت ومشقت برداشت کر کے کچھ تحریری خدمات انجام دیتے ہیں۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ اصحاب لوح وقلم کی کفالت کی جاتی اور وہ مکمل انہماک کے ساتھ تحریری خدمات سرانجام دیتے۔

ملک ہند میں اہل سنت وجماعت کے درجنوں میگزین اور رسالے جاری ہوتے ہیں۔ بعض ماہانہ ہیں، بعض دوماہی اور بعض سہ ماہی۔ ملک بھر میں کوئی میگزین ایسا نظر نہیں آتا، جو ممبر شپ کی رقم سے اپنا خرچ نکال سکے۔ ہر ایک میگزین کو اپنا صرفہ مکمل کرنے کے واسطے دوسرے وسائل کو بروئے کار لانا ہوتا ہے۔ یہ قارئین کی بے توجہی کی ایک بڑی مثال ہے۔

ہمارے اکثر میگزین اردو زبان میں ہوتے ہیں۔ان رسالوں کے ذریعہ اردو زبان وادب کو بھی فروغ حاصل ہوتا ہے۔اگر علم دوست حضرات اور قارئین ان رسالوں کا تعاون کرتے ،ممبر شپ حاصل کرتے تو ذمہ داروں کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی اور یہ رسالے بھی طویل مدت تک جاری رہتے۔اگر ماضی قریب کے دوتین عشروں کو دیکھا جائے تو اس مدت میں بہت سے رسالے جاری ہوئے ،پھر چند سال یا چند ماہ بعد ہی وہ دم توڑ گئے۔بعض ماہناموں نے دوماہی یا سہ ماہی کی شکل اختیار کرلی۔سہ ماہی کو ششماہی یا سالنامہ بنادیا گیا۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے دس نکاتی منصوبہ میں تحریر فرمایا:

''آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں،اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں''۔(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص ۱۳۳-رضا اکیڈمی ممبئی)

امام اہل سنت نے یومیہ اخبار شائع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ہمارا حال تو یہ ہو چکا ہے کہ ماہانہ اور دوماہی وسہ ماہی نہیں سنبھال پا رہے ہیں۔ایسی صورت میں کس قدر فروغ سنیت کی امید رکھی جائے۔یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ ہمیں قوم کی ذہن سازی کرنی ہوگی۔ذمہ داروں نے بھی اس جانب توجہ نہیں دی۔

کیرلا میں سنی جمیعۃ العلما (سمستھا کیرلا) کی جانب سے ملیالم زبان میں ایک پندرہ روزہ اخبار پچاس ہزار کی تعداد میں شائع ہوتا ہے،حالاں کہ کیرلا ایک چھوٹی سی ریاست ہے،نیز کیرلا سے باہر ملیالم زبان جاننے والوں کی تعداد بھی نظر نہیں آتی ،بلکہ ملیالم ریاست کیرلا کی ریاستی زبان ہے۔اس کے باوجود پچاس ہزار کی تعداد میں کسی پندرہ روزہ کی اشاعت اور عوام وخواص میں اس کی مقبولیت مسلمانان کیرلا کے حساس ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

اردو زبان کا دائرہ ملک ہند میں بہت وسیع ہے۔اردو بولنے اور پڑھنے والوں کی تعداد کئی کروڑ ہے،پھر بھی ہمارے اسلامی ماہنامے،دوماہی اور سہ ماہی وغیرہ صرف تین،چار ہزار کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں،نیز ماہناموں اور رسالوں کی ایک بڑی تعداد قارئین کو بلا معاوضہ دینا ہوتا ہے،کیوں کہ لوگ سو،دوسو روپے کی ممبر شپ بھی حاصل نہیں کرتے۔یہ وقت کا بڑا المیہ ہے۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے مدرسین کے بارے میں تحریر فرمایا تھا کہ انہیں اچھا مشاہرہ دیا جائے،تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ تدریسی خدمات میں منہمک ومشغول رہیں،لیکن مدارس اسلامیہ کا حال یہ ہے کہ آمدنی کا زیادہ حصہ تعمیراتی کاموں پر خرچ کیا جاتا ہے۔مدرسین کا لحاظ ہی نہیں کیا جاتا۔چونکہ اساتذۂ کرام قلت تنخواہ کے سبب قلبی طور پر مطمئن نہیں ہوتے ،اس لیے تعلیمی معیار بھی متأثر ہوتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ القوی نے فروغ اہل سنت کے لیے جو کچھ منصوبہ بندی فرمائی تھی۔اب ہم لوگ اس

کے برعکس جارہے ہیں۔ یہ سوچنے کا مقام ہے۔ ہمیں مل بیٹھ کر بھی غور و فکر کرنا چاہئے اور خود اپنی تنہائیوں میں اس پر غور کرنا ہوگا۔ امام اہل سنت نے تحریر فرمایا:

’’مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں‘‘۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص ۱۳۳ - رضا اکیڈمی ممبئی)

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے دس نکاتی پروگرام کو بروئے کار لایا جائے، اور فروغ اہل سنت کی عملی کاوش کی جائے۔ خاص کر اہل سنت و جماعت شعبہ دعوت و تبلیغ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کی کچھ خدمت اپنے اپنے ذوق کے مطابق ائمہ مساجد اور خطبا و مقررین سرانجام دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں عالی شان مساجد اور عظیم الشان مساجد کی تعمیر ہو رہی ہے، لیکن شعبہ دعوت و تبلیغ سے بے اعتنائی کے سبب عوام مسلمین رفتہ رفتہ دیگر جماعتوں کے قریب ہو رہے ہیں، اور بہت سے لوگ گمراہ فرقوں سے منسلک بھی ہو چکے ہیں۔ اب ہم ہندوستان میں اسی فیصد ہیں، یا چالیس فیصد؟ اس پر غور کرنا چاہئے۔

شمس العلما حضرت علامہ قاضی شمس الدین جونپوری (۱۹۰۵ء-۱۹۸۱ء) مؤلف ’’قانون شریعت‘‘ جب جامعہ حمیدیہ بنارس میں صدر المدرسین تھے تو رابعہ و خامسہ کے طلبہ کی دستار بندی کر کے انہیں مختلف مقامات پر بھیج دیتے۔ ایک مرتبہ کمیٹی والوں نے عرض کیا کہ حضور! رابعہ و خامسہ کے بچوں کی دستار بندی کا راز سمجھ میں نہ آسکا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہم ان بچوں کو مدارس میں تعلیم دیتے رہ گئے تو بد مذہب فرقے تمام مساجد و مقامات پر قابض ہو جائیں گے، اور لوگوں کو گمرہی میں مبتلا کر دیں گے، پھر ہم ان بچوں کو عالم و فاضل بنا کر کیا کریں گے، اس لئے ضروری تعلیم دے کر پہلے جگہوں پر قبضہ کر لیا جائے، پھر کچھ بچوں کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا جائے، تاکہ بوقت ضرورت وہ کام آسکیں۔

الحاصل ہمیں دس نکاتی پروگرام کے ہر حصے پر غور و فکر کرنا چاہئے، اور فروغ اہل سنت کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ اب ملک ہند میں قوم مسلم کے حالات ایسے بدتر ہو چکے ہیں کہ اب اسلام و شریعت کے تحفظ کے ساتھ مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے حقوق کی حصولیابی کے لیے بھی ہمیں قانونی لڑائی لڑنی ہوگی۔ ملک کو آزاد ہوئے ستر سال ہو چکے، لیکن قوم مسلم کی حالت رفتہ رفتہ خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ مختلف قسم کی تنظیم و تحریک اور کمیٹی تشکیل دی جائے، اور ایک تنظیم و تحریک کو اسی قدر ذمہ داری دی جائے کہ جس کو وہ بحسن وخوبی انجام دے سکے: لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا

□□□

امام احمد رضا اور اصول افتاء

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری النور انسٹی ٹیوٹ ہیوسٹن

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے چودہ سال کی عمر سے فتویٰ نویسی شروع کی، اور زندگی کے آخری لمحات تک آپ کا سب سے بڑا مشغلہ یہی رہا۔ آپ سے پہلے آپ کے والد گرامی حضور علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ اور جد گرامی حضور علامہ رضا علی خاں رحمہ اللہ بھی فتویٰ نویسی کرتے رہے، جس کے سبب یہ خانوادہ پورے خطے میں فقہ وافتا کے حوالے سے معروف رہا، چنانچہ آنکھ کھولتے ہی اعلیٰ حضرت نے اپنے گرد وپیش کتبِ فتاویٰ کا انبار دیکھا، کتابوں کے ماحول میں پلے بڑھے، شرعی مزاج اور فقہی رنگ وآہنگ میں پروان چڑھے، اور والد گرامی کی عارفانہ تربیت نے عنفوانِ شباب میں ہی آپ کو فتویٰ نویسی کے گر سکھا دیے تھے، جس سے آپ کا جوہر فقہ وافتا خوب نکھر گیا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز خود کو فقہ حنفی کے مقلد کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہب حنفی کے اثبات وایضاح میں اجتہادی شان رکھتے تھے، بلکہ بے شمار مقامات پر آپ نے مختلف اقوال ائمہ میں تطبیق وتوفیق کی جو شاندار صورتیں پیش کی ہیں ان کو سامنے رکھا جائے تو آپ کو طبقۂ اصحابِ تمیز سے قرار دیا جاسکتا ہے۔ افتا میں اُس ذروۂ کمال پر تھے کہ اُس عہد کے اکابر علما اور مفتیان کرام آپ سے رجوع کرتے تھے، اور کسی مسئلے میں آپ نے جو فتویٰ دے دیا وہی حرف آخر مانا گیا۔

اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کی متعدد خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اپنے فتاویٰ کو محض جوابِ استفتا تک محدود نہیں رکھتے، بلکہ سوال سے متعلق دیگر مفید اور اہم امور سے مالا مال فرما دیتے ہیں، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جس قدر سوال ہے اس قدر کا جواب تو اسی زبان میں دیتے ہیں جس میں سوال ہوا ہے، پھر متعلقہ مفید امور کا ذکر عربی میں کرتے ہیں۔

افتا میں اس قدر مہارت کے ظاہری سبب دو ہیں۔

(۱): کتبِ حنفیہ میں بیان کردہ بے شمار جزئیات پر وسیع اور گہری نظر۔ (۲): اصولِ افتا پر پوری گرفت۔ زیر نظر تحریر میں ہمارا موضوع اصولِ افتا میں امام احمد رضا کی مہارت ہے، لہٰذا ہم درج ذیل تحریر میں امام احمد رضا قدس سرہ العزیز

کے وہ افادات پیش کریں گے جو ''فوائد اصولیہ'' اور ''اصولِ افتا'' سے متعلق ہیں۔ یہ موضوع بڑا وسیع ہے، اور اس پر ایک مستقل اور مفصل تالیف زیرِ ترتیب ہے، فی الحال ہم اس کا کچھ حصہ اس مقالے میں پیش کرتے ہیں۔

اصول افتا میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے چند رسائل ہیں:

(۱) اجلی الاعلام بان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام۔

(۲) الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذہبی۔ (۳) فصل القضافی رسم الافتا، (۴) حاشیہ علی رسائل العلامۃ الشامی فی رسم المفتی۔

اجلی الاعلام کا موضوع تو یہ ہے کہ جب اختلاف اقوال ائمہ ہو تو فتویٰ مطلقاً امام ابوحنیفہ کے قول پر ہوگا، اور بغیر کسی ضرورت یا سبب کے قول امام سے عدول نہیں کیا جائے گا۔

''الفضل الموہبی'' میں مصنف نے اس بات کو موضوع بنایا ہے کہ ائمہ فقہ کے ارشاد: ''اذا صح الحدیث فھو مذھبي'' کا مطلب اور مصداق کیا ہے؟ اور ان ائمہ نے یہ جملہ کس کے لیے ارشاد فرمایا ہے؟۔ رسالہ ''فصل القضافی رسم الافتا'' تو خاص رسم المفتی ہی پر ہے، افسوس کی بات ہے کہ یہ رسالہ دستیاب نہیں ہے۔ رسالہ مبارکہ ''الاحلی من السکر'' کے دس قواعد اصولیہ بھی اسی موضوع پر ہیں۔

الاحلی من السکر کے دس قواعد:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سوال ہوا کہ شکر جس کو ایسی ہڈیوں سے صاف کیا جاتا ہے جن کے بارے میں معلوم نہیں کہ ناپاک ہیں یا پاک، حلال جانور کی ہیں یا حرام کی، ایسی شکر کا کیا حکم ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے حلت وحرمت کا حکم صادر کرنے کے لیے دس اصول ذکر کیے، جن کو ہر مفتی کو فتویٰ دینے کے لیے ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ دس اصول یہ ہیں:

پہلا مقدمہ: خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کی ہڈیاں پاک ہیں، خواہ وہ حلال ہو یا حرام، مذبوح ہو یا میتہ ہو، جب تک کہ ان پر ناپاک چکنائی نہ ہو۔

دوسرا مقدمہ: شریعت میں طہارت وحلت ہی اصل ہیں جو خود ہی ثابت ہیں اور اپنے ثبوت میں کسی دلیل کے محتاج نہیں، اور حرمت ونجاست عارضی ہیں جو ثبوت میں دلیل کے محتاج ہیں، محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات نہ ہوگا، کہ طہارت وحلت پر بوجہِ اصالت جو یقین ہوتا ہے اس کا زوال بھی اسی کے مثل یقین سے ہوگا، شکوک واوہام سے نہ ہوگا۔

تیسرا مقدمہ: احتیاط اس میں نہیں کہ ثبوت اور تحقیق کے بغیر کسی چیز کو حرام کہہ دیا جائے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ جب تک حرام یا مکروہ ہونے کی کوئی خاص دلیل نہ مل جائے مباح ہی مانا جائے، کہ مباح ماننا ہی اصل ہے اور اسی میں احتیاط ہے۔

چوتھا مقدمہ: بازاری افواہ نہ قابل اعتبار ہے نہ اس پر شرعی مسائل کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، کہ اکثر یہ بے سروپا ہوتی ہیں، اور جب تحقیق کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبر کسی کافر یا فاسق معلن کی اڑائی ہوتی ہے۔

پانچواں مقدمہ: کسی چیز کا حرام یا مکروہ ہونا ایک دینی حکم ہے اور کافر کی خبر دینی امور میں معتبر نہیں، بلکہ اس بارے میں

کسی مسلمان فاسق بلکہ مستور الحال کی خبر بھی واجب القبول نہیں، ہاں فاسق و مستور میں اتنا ہے کہ ان کی خبر سن کر تحری واجب، اور کافر کی خبر میں اس کی بھی حاجت نہیں۔

چھٹا مقدمہ: کسی قوم کی بے احتیاطی یا کسی چیز کا محل احتیاط سے دور ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ چیز مطلقاً ناپاک یا حرام و ممنوع قرار پائے۔

ساتواں مقدمہ: ہاں جہاں بے احتیاطی شدت سے پائی جاتی ہو کہ اس کا غلبۂ ظن ہو جائے تو حکم شرع میں اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، ظن غالب کی دو صورتیں ہیں: اول غلبہ کی جانب دل کو اس قدر رجحان ہے کہ جانبِ مرجوح کی طرف دل مائل ہی نہ ہو بلکہ اسے نا قابل التفات سمجھتا ہوا یہ ظن غالب ملحق بالیقین ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ راجح پر دل ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو بھی مضمحل نہ سمجھے، بلکہ دل راجح کی طرف دل جاتا ہو اور مرجوح کی طرف بھی میلان ہوتا ہے، حقیقت میں یہ ظن محض ہے مگر بعض مقامات پر اسے بھی ظن غالب کے درجہ میں رکھا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد پر اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ احتیاط کو بہتر و افضل جانتے ہیں، نہ کہ اس پر عمل واجب ہو جائے۔

آٹھواں مقدمہ: کسی چیز میں نجس و حرام شے ملانے کا یقین اس کے ہر ہر فرد سے احتراز کا موجب اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ متحقق ہو جائے کہ نجاست کا اختلاط بروجہ عموم و شمول ہوتا ہے۔ اور اگر یہ التزام عمومی طور پر نہیں ہوتا تو وہاں حرام یا نجس کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

نواں مقدمہ: حرام و حلال چیزیں بازار میں بکتی ہیں، اور کسی خاص چیز میں حرام و حلال بھی ملے ہوں کہ تفریق اور تمیز کرنے کی صورت نہ ہو تو بھی شریعت ایسی چیزیں خریدنے کی اجازت دیتی ہے، کیوں کہ جہاں حرام ہے وہیں حلال بھی ہے اور اس کے حلال ہونے کا احتمال بھی ہر شے کے ساتھ شامل ہے۔

دسواں مقدمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں بنایا کہ ہم بازار سے وہی چیزیں خریدیں جو واقع اور نفس الامر میں طاہر و حلال ہوں۔ کہ اس کا علم ہمارے احاطۂ قدرت سے باہر ہے۔ (ماخوذ ملخصاً ملتقطاً فتاویٰ رضویہ قدیم ۲ رسالہ الاحلی من السکر)

احکام کی گیارہ قسمیں:

اصول افتا پر امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی عظیم ترین خدمت یہ بھی ہے کہ آپ نے تنقیح و تحقیق کر کے احکام شرعیہ کی گیارہ قسمیں کر دی ہیں، اب آپ کے بعد مفتیان کرام ہر چیز کے متعلق فتویٰ دیتے وقت اس خاص حکم کو متعین کر سکتے ہیں جو اس شے پر لگتا ہے۔ آپ سے پہلے فقہائے کرام نے جو احکام کی قسمیں بیان کی ہیں وہ علی الترتیب پانچ، سات، اور نو قسمیں ہوتی ہیں، پہلی تقسیم یہ ہے: واجب، مندوب، مکروہ، حرام، مباح۔ دوسری تقسیم یوں ہے: فرض، واجب، مندوب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ تیسری تقسیم یوں ہے: فرض، واجب، سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ، نفل، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، مباح۔

مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان اقسام احکام پر تبصرہ کرنے کے بعد خود اپنی تقسیم فرمائی ہے جس کے مطابق احکام

کی کل گیارہ قسمیں بنتی ہیں، وہ یوں ہیں:

(۱)فرض، (۲)واجب، (۳)سنت موکدہ (۴) سنت غیر موکدہ (۵)مستحب ۔(۶) حرام (۷)مکروہ تحریمی (۸)اساءت (۹) مکروہ تنزیہی (۱۰) خلاف اولیٰ (۱۱) مباح۔ان میں پہلے پانچ جانب طلب میں ہیں اور دوسرے پانچ جانب ترک میں ہیں، اور ان (۶ سے ۱۰ تک) سے ہر ایک' پہلے پانچ میں سے ہر ایک کے مقابل ہے۔اور گیارہواں حکم ''مباح'' دونوں کے درمیان ہے، جس میں نہ طلب مقصود ہے نہ ترک مقصود ہے۔اس کی تفصیل اعلیٰ حضرت کے رسالہ مبارکہ ''برکات السما'' میں ہے۔

غیر مجتہد مفتی کے لیے قولِ مجتہد ہی دلیل ہے:

اس عہد میں جو حضرات فتویٰ دیتے ہیں وہ دراصل ناقل فتویٰ ہیں نہ کہ اصحاب فتویٰ، اسی لیے ایک مفتی کے لیے ضروری ہے کہ جب کسی سوال کا جواب دے تو معتبر فقہی کتاب کے صریح جزئیہ سے استناد کرے، تاکہ نقل فتویٰ کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکے، صریح جزئیہ دینے سے اب معاملہ یہ ہوگیا کہ وہ اصحاب فتویٰ کا قول نقل کررہا ہے، نہ کہ خود اپنی طرف سے کوئی حکم سنارہا ہے، اس لیے جزئیہ کے بغیر حکم دینا اس حکم کی صحت کا خود پر التزام کرنا ہے، اور یہ بہت مشکل امر ہے۔اس لیے لازم ہے کہ امام مجتہد کے قول سے اخذ واستدلال کرے۔اور وہی قول مجتہد اس کے لیے دلیل ہے۔قرآن وحدیث واجماع وقیاس مجتہد کے لیے اصول ہیں نہ کہ ناقل کے لیے۔چنانچہ اعلیٰ حضرت فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں:

> ''دلیل شرعی مجتہد کے لیے اصول اربعہ ہیں اور ہمارے لیے قولِ مجتہد، صرف ایسی ہی جگہ (جہاں قول مجتہد مل جاتا ہے) علمائے کرام حکم بالجزم لکھتے ہیں، اس کے سوا اگر کسی عالم غیر مجتہد نے کسی امر کی بحث کی تو ہرگز اس مسئلے کو یوں ہی نہیں لکھ جاتے کہ حکم یہ ہے، بلکہ صراحۃً بتاتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے تاکہ منقول فی المذہب نہ معلوم ہو اور جس کا خیال ہے اسی کے ذمہ رہے۔اگر احیاناً اگر کوئی اسے بطور جزم لکھ جاتا ہے تو اس پر گرفت ہوتی ہے''۔(فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۸ صفحہ ۴۱۷)

ہاں اگر کوئی شرعی حکم عام ہے، جس کے تحت صورت مسئولہ ایک فرد کی حیثیت سے داخل ہے تو وہاں اس حکم عام سے استدلال کافی ہوگا صریح جزئیہ کی ضرورت نہ ہوگی، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

> ''بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو نہ صراحۃً کسی کلیہ نامخصوصۂ مذہب کے تحت میں داخل ہو، کہ ایسے کلیات سے استناد بحث ونظر پر موقوف نہیں، مثلاً سوال کیا جائے کہ ایک لڑکے نے چھ مہینے پانچ دن چار گھڑی تین منٹ کی عمر میں ایک عورت کا دودھ پیا، اس کی دختر اس پر حرام ہوئی یا نہیں؟ جواب ہوگا کہ حرام، یہ صورتِ خاصہ اگر چہ اصلاً کسی کتاب میں منقول

نہیں، مگر اسے ہرگز بحث نہ کہا جائے گا، کہ کتبِ مذہب میں اس کلیۂ عامہ کی تصریح ہے کہ مدت رضاعت کے اندر جوار تضاع ہو موجبِ تحریم ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۸ صفحہ ۴۱۸)

مفتی، کا اقوالِ امام ابو حنیفہ یاد کر لینا کافی ہے:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ہے: "اجلی الاعلام بان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام" اور ثابت کیا کہ مطلقاً قول امام پر ہی فتویٰ دیا جائے گا۔ اور قول امام سے عدول کر کے کسی اور قول پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ کہ قول امام کے خلاف پر اکابر فقہا بھی قادر نہیں، چنانچہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز "الفضل الموہبی" میں فرماتے ہیں:

"خود اکابر اراکین مذہب اعاظم اجلہ رفیع الرتب مثل امام کبیر خصاف و امام اجل ابو جعفر طحاوی و امام ابو الحسن کرخی و امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ سرخسی و امام فخر الاسلام بزدوی و امام فقیہ النفس قاضی خاں و امام ابو بکر رازی و امام ابو الحسن قدوری و امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ وغیرہم اعاظم کرام ادخلہم اللہ تعالیٰ فی دار السلام کی نسبت علامہ ابن کمال پاشا رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصریح نقل کی: انهم لا يقدرون على شيء من المخالفة لا في الاصول ولا في الفروع"۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۷ صفحہ ۷۸، ۷۹)

اعلیٰ حضرت "اجلی الاعلام" میں فرماتے ہیں: افتا کا مطلب تو یہ ہے کہ کسی خاص مسئلے میں کسی حکم پر اعتماد کرنا اور سائل کو بتانا کہ تم نے جو سوال کیا ہے اس میں شرع کا حکم یہ ہے۔ اسی وجہ سے متقدمین فقہائے کرام نے فتویٰ دینے کے لیے درجۂ اجتہاد پر فائز ہونا شرط قرار دیا ہے، مگر ہمارے زمانے میں اقوال امام ابو حنیفہ یاد کر لینا کافی ہے۔

قولِ امام کے خلاف فتویٰ نہیں دیا جا سکتا:

قول امام کے خلاف کوئی قول اگرچہ ائمہ ترجیح کی طرف سے آئے اس پر وقت ضرورت عمل کیا جا سکتا ہے، لیکن فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ اول میں صفحہ ۶۳ پر فرمایا، چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ صاحب ہدایہ نے مختارات النوازل میں بیان کیا کہ پھوڑے سے خون رس رس کر نکلتا ہو یعنی قلیل ہو تو مانع نہیں اور کثیر ہو کہ چھوڑ دیا جائے تو بہنے لگے تو مانع ہے، پھر نواقض وضو میں فرمایا: لو خرج منه شيء قليل و مسحه بخرقة حتى لو ترك يسيل لا ينقض الخ، اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے، نہیں معلوم کہ صاحبِ ہدایہ سے پہلے کسی نے ایسا کہا ہو یا ان کی متابعت کی ہو، لیکن چونکہ صاحبِ ہدایہ امامِ جلیل، طبقۂ اصحابِ تخریج و تصحیح سے ہیں تو معذور بوقتِ ضرورت ان کے اِس قول کی اتباع کرے تو درست ہے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے "اجلی الاعلام" میں فرمایا:

وفی عدة رد المحتار التقليد وان جاز بشرطه فهو للعامل لنفسه لا للمفتي

لغیره فلا یفتی بغیر الراجح فی مذهبه اھ نعم للمبتلی فیه ما فیه من ترفیه وهو أیسر له من تقلید الامام الشافعی رضی الله تعالیٰ عنه. فان النجاة من التلفیق شأو سحیق وبالله التوفیق۔ (ملتقطاً فتاویٰ رضویہ اول صفحہ ۶۳)

یعنی (ان مسائل میں) تقلید اگرچہ اپنی شرطوں کے ساتھ جائز ہے مگر خود اپنے عمل کے لیے، نہ کہ دوسروں کو فتویٰ دینے کے لیے، تو راجح قول کے علاوہ مرجوح قول پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں مبتلا شخص کے لیے اس قول مرجوح میں آسانی ہے اور امام شافعی کی تقلید کی نسبت مذہب حنفی کے اس قول مرجوح کو اختیار کر لینا زیادہ آسان ہے۔

قول امام کے علاوہ کسی اور قول پر کب فتویٰ دے سکتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ''اجلی الاعلام'' میں ''قولِ صوری'' اور ''قولِ ضروری'' کی تفصیل فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ قول دو طرح کے ہوتے ہیں: صوری اور ضروری، ''قولِ صوری'' وہ ہوتا ہے جو مقول و منقول ہو، اور ''قولِ ضروری'' وہ ہوتا ہے جسے قائل نے لفظاً تو نہ کہا ہو لیکن ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جو ضرورۃً ثابت ہو کہ اگر خاص اس صورت میں اگر کہتے تو ایسا ہی کہتے۔ بسا اوقات ''قول ضروری''، ''قول صوری'' کے خلاف ہوتا ہے، ایسی صورت میں ''قول ضروری''، ''قول صوری'' کو اس طرح کالعدم کر دیتا ہے کہ اس کو اختیار کرنا قائل کی مخالفت کرنا مانا جاتا ہے۔ اور اس سے ''قولِ ضروری'' کی طرف عدول کرنا ہی قائل کی اتباع قرار پاتا ہے۔

اس طرح اقوالِ ائمہ کرام سے عدول کرنا چھ اسباب کی بنا پر ہوتا ہے، وہ اسباب ستہ یہ ہیں:

اسبابِ ستہ کا بیان:

(۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) اہم دینی مصلحت کا حصول (۶) دفع مفسدہ۔ کیوں کہ ضرورتوں کا استثنا، حرج کو دفع کرنا، دینی مصلحتوں کی رعایت جو مفاسد سے خالی ہوں، مفاسد کا سد باب کرنا، عرف کو اختیار کرنا اور تعامل پر عمل کرنا یہ سب قواعد کلیہ شرعیہ ہیں، تمام ائمہ اِن کے قائل ہیں، تو کسی مسئلے میں امام کی طرف سے نص ہو، پھر اس میں ان اسباب سے کوئی سبب پایا جائے تو ہمیں معلوم ہے کہ اگر ایسا امام کے سامنے ہوتا تو ان کا قول بھی اسی کے مطابق ہوتا، اس کے خلاف نہ ہوتا۔ تو امام کے اِس قول ضروری پر عمل ہی امام کے قول پر عمل ہے۔ تغیر زمان کی بنا پر ضرورت یا عرف یا قرائن احوال کے سبب بہت سارے احکام بدل گئے، پھر بھی مذہب سے خروج نہ قرار دیا گیا۔ یہی سبب ہے کہ مجتہدین فی المذہب اور اہل نظر متاخرین نے بعض صورتوں میں صاحب مذہب کے اُس قولِ منصوص کے خلاف قول کیا جو ظاہر الروایہ میں ہے۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ قدیم اول صفحہ ۳۸۵)

ائمہ حنفیہ کے مختلف اقوال پر کس ترتیب سے عمل کیا جائے:

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے علی الاطلاق

امام ابوحنیفہ کا قول لیا جائے گا، وہ نہ تو امام ابو یوسف، پھر امام محمد، پھر امام زفر اور امام حسن کے قول کو اختیار کیا جائے گا، چنانچہ رسالہ ''اجلی الاعلام'' میں ہے:

''جب کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ کا قول موجود نہ ہوتو امام ابو یوسف کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر امام محمد کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر زفر وحسن وغیرہم کے ظاہر قول کو لیا جائے گا، پہلے بڑے کا قول پھر اس کے بعد والے کا علی الترتیب۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم ۱/۱۵۷)

اجلی الاعلام میں ہی سراجیہ سے ہے:

فتویٰ علی الاطلاق قول ابوحنیفہ پر ہے، پھر امام ابو یوسف کے قول پر، پھر امام محمد کے قول پر، پھر امام زفر وامام حسن کے قول پر۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ قدیم ۱/۳۹۵)

اسبابِ ستہ کے سوا ہر حال میں قول امام پر فتویٰ:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا رسالہ مبارکہ ''اجلی الاعلام'' اصول افتا کے باب میں بہت مفید رسالہ ہے۔ اس کے تفصیلی نکات تو ہم اپنی آئندہ اپنی تفصیلی تحریر میں پیش کریں گے، لیکن اس کا ایک حصہ یہاں پیش کرتے ہیں جس سے مفتیان کرام صرف نظر نہیں کر سکتے، وہ یہ ہے:

قولِ امام ابوحنیفہ کی کل آٹھ صورتیں ہیں، ان تمام صورتوں میں مقلد پر متعین ہے کہ ''قولِ امام'' پر ہی فتویٰ دے، وہ صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) صورت مسئولہ میں اسبابِ ستہ (جن کے سبب قولِ امام سے عدول کیا جاتا ہے) کا تحقق ہو چکا ہو تو ان اسبابِ ستہ کے تقاضے کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا، اور وہی امام ابوحنیفہ کا قول قرار پائے گا جس کو امام کا ''قول ضروری'' کہا جاتا ہے۔ اگر چہ امام کا ''قولِ صوری'' بلکہ ان کے اصحاب یا اصحابِ ترجیح کے اقوال بھی اس کے خلاف ہوں۔ یہ امام کا ''قولِ ضروری'' یوں ہوگا کہ اگر یہ صورتِ حال امام کے دور میں پیدا ہوتی تو وہ یوں ہی فتویٰ دیتے۔ امام کے ''قول ضروری'' کے ساتھ امام کی کسی روایت یا کسی قول کی ترجیح کی طرف نظر نہ کی جائے گی، اور یہ امر کسی زمانے کے ساتھ خاص نہ ہوگا، (بلکہ جب بھی ایسی صورت حال پیدا ہو تو اسباب ستہ کی بنا پر قول ضروری پر ہی فتویٰ دیا جائے گا)۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ مفتی یا قاضی کا 'عرف اور واضح قرائن کو ترک کر کے ظاہرِ منقول پر جم جانے اور لوگوں کے احوال سے غفلت برتنے سے بہت سارے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور لوگوں پر ظلم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اسی قبیل سے ہے جو میں نے بارہا فتویٰ دیا کہ مسلمان عورت مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح فسخ نہیں ہوتا، کہ میں نے دیکھا خواتین قطعِ عصمت کی طرف جرأت کر جاتی ہیں، اور اِس خطے میں ان کو باندی بنانے، زدوکوب کرنے اور اسلام پر مجبور کرنے کی کوئی صورت بھی نہیں ہے۔

اور اگر اسباب ستہ کا تحقق تو نہیں لیکن اس مسئلے میں امام کا قول بھی مروی نہیں، ایسی صورت ہماری بحث سے ہی خارج ہے، کیوں کہ جب ''قولِ امام'' موجود ہی نہیں تو لامحالہ مجتہدین فی المذہب کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

(۲) صورت مسئولہ میں اسباب ستہ کا تحقق نہیں اور اس کے متعلق قول امام موجود ہے، اب اگر اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کے متعدد اقوال ہیں تو بھی اصحابِ مذہب کی طرف رجوع کرنا ہوگا، اور جس قول پر بھی عمل ہو مذہب حنفی سے خروج لازم نہ آئے گا۔ یہاں مختلف اقوالِ امام سے مراد صرف ظاہر الروایہ کے اقوال ہیں، کیوں کہ ظاہر الروایہ کے سوا باقی اقوال مرجوع عنہ ہیں، اور جس قول سے امام نے رجوع کرلیا وہ امام کا قول ہی نہ رہا۔

(۳) صورت مسئلہ میں امام کا ایک ہی قول ہے، اور صاحبین میں سے دونوں حضرات نے اس قولِ امام کی موافقت کی ہے تو اسی قول پر عمل لازم ہے، اور مجتہد فی المذہب کے لیے بھی جائز نہیں کہ اس کے خلاف جائیں (مگر اسباب ستہ کی بنا پر)۔

(۴) صورت مسئلہ میں امام کا ایک ہی قول ہے اور صاحبین میں سے کسی ایک نے ''قولِ امام'' کی موافقت کی ہے تو بھی اسی قول امام پر لازم ہے۔

(۵) اور اگر صاحبین میں سے دونوں حضرات ''قولِ امام'' کے خلاف گئے، تو اگر دونوں کے دو مختلف قول ہیں تو بھی مطلقاً ''قولِ امام'' پر ہی عمل متعین ہے۔

(٦) اور اگر ''قولِ امام'' کے خلاف دونوں کا ایک ہی قول ہے، اب اس میں تین احتمالات ہیں، ایک یہ کہ تمام اصحابِ ترجیح نے قولِ امام پر قولِ صاحبین کو بالاتفاق ترجیح دیدی ہو، ایسا نہ کبھی ہوا نہ ہوگا، مگر اسباب ستہ کی بنا پر، جن سے قولِ امام سے عدول ہوتا ہے، اگر اسبابِ ستہ کی بنا پر ایسا ہوا تب تو صاحبین کے قول پر ہی عمل ہوگا، اور اس صورت میں وہ قول بھی جو صاحبین کا ''قولِ صوری'' ہے امام ابوحنیفہ کا ''قولِ ضروری'' ہوگا۔

(۷) دوسرا احتمال یہ کہ ''قولِ صاحبین'' پر ''قولِ امام'' کو بالاتفاق ترجیح دیدی ہو، اس صورت میں ظاہر ہے اجماعاً قول امام پر ہی عمل ہوگا، جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۸) تیسرا احتمال یہ ہے کہ قول امام اور قول صاحبین میں سے کسی کی ترجیح پر اتفاق نہ ہو، یوں کہ یا تو ترجیح میں اصحابِ ترجیح کا اختلاف ہوگیا، یا کسی قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو، اسی صورت میں اختلاف ہوا، ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں مجتہد غیر مجتہد کسی کو بھی اختیار نہیں، بلکہ قول امام ہی کی اتباع لازم ہے اگر چہ اس کا اجتہاد صاحبین کے قول کی ترجیح پر جاتا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مطلقاً اختیار ہے کہ جس قول پر چاہے فتویٰ دے، اگر چہ مجتہد نہ ہو۔ تیسرا قول جس کو بالاتفاق صحیح قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مقلد قولِ امام کی اتباع کرے، اور اہل نظر (مجتہد) قوتِ دلیل کو دیکھیں۔

مذکورہ آٹھوں شقوق میں تمام اقوال اس بات پر متفق ہو گئے کہ مقلد کو ہر حال میں اپنے امام ہی کی اتباع کرنی ہے۔ اگر چہ قولِ امام کے خلاف کسی نے فتویٰ دیا ہو کہ قولِ امام کے خلاف استثنائی صورتوں (اسبابِ ستہ) کے علاوہ کبھی بھی فتویٰ دینے پر اتفاق نہ ملے گا۔ (مفہوماً ملتقطاً فتاویٰ رضویہ قدیم اول صفحہ ۳۹۳، ۳۹۴)

□□□

فقہ حنفی کی جامعیت:
فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

ڈاکٹر معین احمد خاں رضوی بریلوی

۔۔۔۔۔اگر اسلامی تاریخ کے اوراق کو گہرائی سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ قراءت قرآنی کے لہجوں میں اختلاف کی وجہ سے اس مقدس آسمانی صحیفے بالخصوص اہل عجم کے الجھنے سے تدوین قرآن کا فن معرض وجود میں آیا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تسلسل کے ساتھ دنیا سے تشریف لے جانا اور ان کے بیان کردہ رواۃ میں اختلاف تدوین حدیث کا باعث بنا، وضع حدیث کے فتنے سے احادیث مقدسہ کے سرمایہ افتخار کو محفوظ کرنے کے لئے اسماء الرجال کا فن مدون ہوا اور بالکل اسی طرح قرآن و حدیث کے معانی کی تفہیم میں اختلاف رائے اور کتاب و سنت سے مسائل کے استنباط کے طریقوں میں اختلافات نے ایسی فضا پیدا کی جس کی وجہ سے ہمدردان اسلام و سنت کو ایسے اصول و ضوابط وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جس کی روشنی میں آسانی کے ساتھ مسائل کے احکامات قرآن و سنت کی روشنی میں دریافت کئے جاسکیں۔۔۔۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری زمانے میں مبعوث فرما کر آپ کے لائے ہوئے دین کو صبح قیامت تک کے لیے نافذ العمل فرمایا۔ مطلب یہ کہ شریعت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر زمانے و ہر دور کے لیے مکمل و اکمل ہے لیکن عہد خلفائے راشدین میں ہی دنیا کے بیشتر ممالک اسلام کی آغوش رحمت میں سمائے اور یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ عہد عباسیہ میں مسلم سلطنتیں دنیا کی کئی زبانوں و تہذیبوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر چکی تھیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تہذیب و ثقافت کا انضمام و

ملک اور قوم کے تبادلے اپنے ساتھ بہت مسائل بھی لائے ہیں اور بہت سے خوش آئند تصورات بھی تغیرات بھی اور مختلف علوم وفنون کے دریچے بھی کھولتے ہیں۔ نیا معاشرہ، نیا ماحول، نیا انداز اور سب کچھ نیا نیا اور اس ماحول میں اسلام یا اہل اسلام کو ''فطری'' ہونے کے لئے فکر وعمل کے طور طریقوں میں رنگ وروغن کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی ضرورت نئی نئی اصطلاحات اور نئے نئے علوم وآداب کی ایجاد وتدوین کی اصل محرک ہوتی ہے۔

اسلام یقیناً دین فطرت ہے اس لئے اس کے اصول و قوانین وآداب ہر ہر قدم پر مزاج فطرت کا خیال رکھے ہیں اسلام کائنات کی ہر خوبی کو اپنا سرمایہ افتخار سمجھتا ہے اور ان تمام چیزوں سے اپنا دامن بچاتا ہے جو فطرت کے پاکیزہ صحن کو آلودگیوں کا شکار بناتا ہو۔ اسلام کے اس زرین ونایاب اصول نے اس کو وہ آفاقی وسعتیں عطا کی ہیں جو آج کے اس دورِ نامساعدہ میں بھی اسلامی چراغ کو لاتعداد طوفانوں واسلام دشمن آندھیوں کے سامنے بھی روشن رہنے کا ہنر عطا کئے ہوئے ہے۔

عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کسی بھی فن کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ وحی الٰہی اور اس زبان مقدس کہ جس کو سب کن کی کنجی کہیں کے آگے ہر مسئلے کا شافی و کافی علاج موجود تھا البتہ دور دراز کے علاقوں میں تبلیغ دین کے لیے خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو صورتیں تجویز فرمائی تھیں۔ یعنی کہ قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ یا پھر اس کی روشنی میں عقلی استنباط کہ جس نے آگے چل کر اسلامی علوم وفنون بالخصوص فقہ واصول فقہ کی تدوین کی راہیں ہموار کیں ۱۰ھ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا معاذ: تم امت مسلمہ کے مسائل کا فیصلہ کیسے کروگے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کتاب اللہ کی روشنی میں حضور نے فرمایا اگر وہ حکم صراحتاً اس میں نہ ملے تو؟ عرض کی آپ کے ارشادات کی روشنی میں فرمایا اگر میری حدیث میں بھی تمہیں وہ حکم دستیاب نہ ہو تو؟ عرض کیا یا رسول اللہ: میں کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ چہرہ مبارکہ اس جواب سے کھل اٹھا اور حضرت معاذ کے سینہ مبارکہ پر دست کرم پھیرتے ہوئے فرمایا:

الحمد للہ الذی وفق رسول اللہ لما یرضیٰ بہ رسول اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر واحسان کہ اس نے اپنے رسول کے ترجمان کو ایسی اچھی فکر کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (مشکوۃ شریف۔ کتاب الامارۃ)

اگر اسلامی تاریخ کے اوراق کو گہرائی سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرات قرآنی کے لہجوں میں اختلاف کی وجہ سے اس مقدس آسمانی صحیفے بالخصوص اہل عجم کے الجھنے سے تدوین قرآن کا فن معرض وجود میں آیا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تسلسل کے ساتھ دنیا سے تشریف لے جانا اور ان کے بیان کردہ رواۃ میں اختلاف تدوین حدیث کا باعث بنا، وضع حدیث کے فتنے سے احادیث مقدسہ کے سرمایہ افتخار کو محفوظ

کرنے کے لئے اسماء الرجال کا فن مدون ہوا اور بالکل اسی طرح قرآن وحدیث کے معانی کی تفہیم میں اختلاف رائے اور کتاب وسنت سے مسائل کے استنباط کے طریقوں میں اختلافات نے ایسی فضا پیدا کی جس کی وجہ سے ہمدردان اسلام وسنت کو ایسے اصول وضوابط وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جس کی روشنی میں آسانی کے ساتھ مسائل کے احکامات قرآن وسنت کی روشنی میں دریافت کئے جاسکیں۔

عہد صحابہ کرام کے بعد تابعین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فقہ واصول فقہ کی تدوین وترتیب کی طرف توجہ فرمائی اس مبارک جماعت کے امام۔ امام الائمہ، سراج الامۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکت ہے۔ جن کے نور باطن سے آج بھی پورا عالم اسلام تابانیوں کی سوغات حاصل کر رہا ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے علاوہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۷۹ھ) امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۲۹۱ھ) نے اسلامی فقہ واصول فقہ کے وہ آفاقی اصول مرتب فرمائے کہ جمہور علمائے اہلسنت نے اسے سوادِ اعظم کا درجہ عطا کیا۔ جملہ اصول وفروع میں یہ تمام ائمہ متفق ہیں بعض فقہی جزئیات میں ان ائمہ کرام کا اختلاف ہے جس کی نوعیت نیک نیتی ودین کی بھلائی کے ساتھ ہے ان اختلافات کے تعلق سے علمائے محققین فرماتے ہیں کہ اس کا ایک عام سبب یہ ہے کہ ہر امام کا ایک اصول ہے اگر ایک ہی مسئلہ میں متعدد ومختلف یا متعارض احادیث وارد ہوں تو اس صورت میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''قوت سند'' کے اعتبار سے فیصلہ فرماتے ہیں سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جس پر ''اہل مدینہ کا تعامل'' ہو۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی صورت حال میں ''متقدمین کی اکثریت'' کا لحاظ کر کے فیصلہ فرماتے ہیں اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام متعارض احادیث کو سامنے رکھ کر ''منشاء رسالت'' تلاش کرتے ہیں جس میں تمام متعارض احادیث جمع ہو جائیں اور ہر حدیث کا الگ الگ محل ومعنی متعین ہو جائے۔

دیکھا آپنے کہ سراج الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ استدلال کتنا جامع ارفع واعلیٰ ہے تاریخ شاہد ہے کہ آپنے ایک شرعی بورڈ کو تشکیل دیا جس میں اس زمانے کے ہر فن کے ماہرین موجود تھے کیونکہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے صرف عربی زبان کا جاننا ہی ضروری نہیں بلکہ اسرار قرآنی و منشائے رسالت کو علم حدیث میں جاننا یا تلاش کرنا، موجودہ و آنے والے مسائل پر بحث ومباحثہ وغور وفکر کر کے قرآن و حدیث کی روشنی میں ہزاروں مسائل کا حل تلاش کرنا تائید ایزدی کے بغیر ناممکن ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عظیم علمی وروحانی کارنامہ ہے اور امت مسلمہ پر یہ عظیم احسان ہے اور بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ قبولیت کا اعزاز عطا ہوا ہے کہ آج امت مسلمہ کی نصف سے زیادہ آبادی اپنے آپ کو

’’حنفی‘‘ کہلانے پر فخر محسوس کر رہی ہے۔

برصغیر میں صدیوں سے حنفی مسلک کا ہی بول بالا رہا ہے سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمہ ہوں یا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ وسید یا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ہوں ان تمام بزرگوں نے حنفی المسلک کی اتباع و تبلیغ فرمائی۔امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فقہ حنفی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کا اعتراف ان کے موافقین ہی نہیں بلکہ ان کے سخت مخالفین نے بھی کیا ہے۔ فتاویٰ رضویہ شریف جس کو فقہ حنفی کا ایک انسائیکلوپیڈیا کہا جاتا ہے۔فی الحقیقت ایک ایسا کارنامہ ہے جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔فاضل بریلوی نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی صلح کلیت کا شدید طور پر رد کیا اور سخت تعاقب فرمایا۔اس کے باوجود بھی ندوہ کے ناظم اعلیٰ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

> ’’ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی انکا ہم پلہ ہو اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی کتاب کفل الفقیہ شاہد ہے جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی‘‘۔
>
> (نزہۃ الخواطر ج ۸ ر ص ۴۱۔ کراچی)

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایسے مقلد ہیں کہ مسائل شرعیہ میں مجتہدانہ شان سے گفتگو فرماتے ہیں۔ پہلے قرآن کریم سے،، پھر حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، پھر سف صالحین سے اور اس کے بعد فقہائے متاخرین کے ارشادات سے استدلال واستناد کرتے ہیں۔

حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ نے ایک استفتاء بھجوایا جس میں آپ نے سوال کیا تھا کہ کیا مشرق افق سے سیاہی نمودار ہوتے ہی مغرب کا وقت ہو جاتا ہے یا سیاہی کے بلند ہونے پر مغرب کا وقت ہوگا؟

’’۔۔۔۔۔فاضل بریلوی نے جواب دیا کہ سورج کی ٹکیہ کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہی سیاہی مشرق سے کئی گز بلند ہو جاتی ہے۔اس مسئلے پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:’’اس پر عیان و بیان و برہان سب شاہد عدل ہیں۔ الحمد للہ: عجائب قرآن منتہی نہیں۔۔۔۔۔۔ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیۂ کریمہ۔’’تولج الیل فی النہار و تولج النہار فی الیل‘‘ مطالع رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں چمک رہی ہیں رات یعنی سایہ زمین کی سیاہی کو حکم قدیر عز جلالہ دن میں داخل فرماتا ہے، ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے، ابھی ظلمتِ شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی۔۔۔۔‘‘

فاضل بریلوی نے جواب دیا کہ سورج کی ٹکیہ کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہی سیاہی مشرق سے کئی گز بلند ہوجاتی ہے۔اس مسئلے پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس پر عیان و بیان و برہان سب شاہد عدل ہیں۔الحمد للہ: عجائب قرآن منتہی نہیں۔۔۔۔۔۔ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیۂ کریمہ۔''تولج الیل فی النہار و تولج النہار فی الیل'' مطالع رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں چمک رہی ہیں رات یعنی سایہ زمین کی سیاہی کو حکم قدیر عز جلالہ دن میں داخل فرماتا ہے، ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے، ابھی ظلمتِ شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی''۔(فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳)

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے ایک سوال آیا کہ حقہ کے بارے میں تحقیق حق کیا ہے؟۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اس کے جواب میں ایسا تحقیقی فتویٰ لکھا کہ جس کو دیکھ کر فقہ حنفی کی جامعیت کا خوب سے خوب تر اندازہ لگایا جاسکتا ہے فرماتے ہیں:

''حق یہ ہے کہ معمول حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامۂ بلاد کے عوام وخواص یہاں تک علما عظمائے حرمین محترمین زادہما اللہ شرفاً وتکریماً میں رائج ہے شرعاً مباح وجائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں تو اسے ممنوع وناجائز کہنا یا احوال حقہ سے بے خبری پر مبنی۔

کما عرض اللبشر من المتکلمین علیہ فی بل وظہورہ قبل اختیارہ ووضوح ارہ فقیل سکر وقیل مفتر وقیل مضر ای مطلقاً کالسموم وقیل وقیل۔

یا بعض احوال عارضہ بعض فساق متناولین کی نظر پر مبنی۔

کقول من قال انہ مما مجتمع علیہ الفاك کاجتما عھم علی الحرمات وقول اٰخر انہ یصد عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ۔

یا بعض عوارض مخصوصہ بعض بلاد و بعض اوقات کے لحاظ سے ناشی جن کا حکم ان کے غیر اعصار وامصار کو ہرگز شامل نہیں۔

کمن احتجج باالنہی السطانی علی کلام فیہ اللعلامۃ النابلسی۔

یا محض مفتریات کا ذبہ مخترعات ذاہبہ پر متضرع۔

فقیر نے اس باب میں زیادہ بیا کی متقشفہ افغانستان سے پائی کہ چند کتب فقہ پڑھ کر تقشّف وتصلف کو حد سے بڑھاتے اور عامہ امت مرحومہ کو ناحق فاسق وفاجر بتاتے ہیں اور جب اپنے دعوہِ باطل پر دلیل نہیں دے پاتے ناچار حدیثیں گڑھتے بتاتے ہیں۔میں نے ان کی بعض تصانیف میں ایک حدیث دیکھی کہ:

من شرب الدخان فکانما شرب دم الانبیاء۔

جس نے حقہ پیا گویا اس نے پیغمبروں کا خون پیا۔

اور دوسری حدیث یوں تراشی:

من شرب الدخان فکانما زنی بامہ فی الکعبۃ۔

"۔۔۔۔۔اس کے بعد فاضل بریلوی علامہ آفندی عمادی ابن آفندی مفتی دمشق کے فتاوے کی طویل عبارت نقل فرماتے ہیں اور پھر اس کے بعد علامہ محمد بن عابدین شامی کے حاشیہ درمختار کی نقل فرماتے ہیں جس کے لیے ایک طویل اقتباس نقل فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں سوا حکم اباحت کے کوئی راہ نہیں خصوصاً ایسی حالت میں عجماً وعرباً وشرفاً وغرباً عام مومنین بلا و بقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلا ہے تو عدم جواز کا حکم دنیا عامہ امت مرحومہ کو معاذ اللہ فاسق وفاجر بنانا ہے جسے ملت حنفیہ سمحہ سہلہ عزا بیضا ہرگز گوارہ نہیں فرماتی۔

بعد از اں علامہ جزری، علامہ حامد عمادی، علامہ شامی کے حوالے پیش کرتے ہیں۔اور پھر علامہ طحطاوی کی تحقیق کو نقل فرماتے ہیں پھر اس پر دقیق تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پھر کراہت تنزیہہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولیٰ ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو علما تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت مجامع جواز واباحت ہے۔۔۔۔۔"

یعنی کہ جس نے حقہ پیا گویا اس نے کعبہ معظّمہ میں اپنی ماں سے زنا کیا۔

انا للہ وان الیہ راجعون۔

جہل بھی کیا بد بلا ہے خصوصاً مرکب کہ لا دوا ہے مسکین نے ایک مباح شرعی کے حرام کرنے کو دیدہ ودانستہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بہتان اٹھایا اور حدیث متواتر:

من کذب علی متعمداً فلیتبؤ من النار۔

کو اصلاً دھیان نہ دیا۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

لہذا علمائے محققین واجلہ معتمدین مذاہب اربعہ نے بعد تنقیح کاردامعان افکار اس کی اباحت کا حکم فرمایا۔وھو الحق لیقین بالقبول۔

علامہ سیدی احمد حموی العیون والبصائر میں فرماتے ہیں:

یعلم منہ حل شرب الدخان۔

اس قاعدے سے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے حقہ پینے کی حلت معلوم ہوئی۔علامہ عبدالغنی بن علامہ اسمٰعیل نابلسی قدس سرہما القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں: ترجمہ:

بدعات عادیہ سے ہے حقہ اور کافی کا پینا جن کا چرچا آج کل عوام وخواص میں شائع ہے اور حق یہ ہے کہ ان کی حرمت کی کوئی وجہ ہے نہ کراہت کی۔علامہ محقق علاء الدین دمشق درمختار میں عبارت اشباہ نقل کر کے فرماتے ہیں:

فیفھم منہ حکم التبن۔

شامی میں ہے:

وھو الاباحۃ علی المختار۔

یعنی اس سے تمبا کو کا حکم مفہوم ہوتا ہے اور وہ اباحت ہے۔پھر فرمایا: ترجمہ ہمارے استاد عبدالرحمن بن محمد عماد

الدین دمشقی نے اپنی کتاب ہدیہ میں اسے سیر و پیاز سے ملحق ٹھہرا کر مکروہ رکھا۔

علامہ سیدی ابوالسعود علامہ سیدی طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا:

ترجمہ: پوشیدہ نہیں کہ یہ کراہت تنزیہی ہے جیسے لہسن پیاز کی، اور مکروہِ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔

اس کے بعد فاضل بریلوی علامہ آفندی عمادی ابن آفندی مفتی دمشق کے فتاوے کی طویل عبارت نقل فرماتے ہیں اور پھر اس کے بعد علامہ محمد بن عابدین شامی کے حاشیہ در مختار کی نقل فرماتے ہیں جس کے لیے ایک طویل اقتباس نقل فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں سوا حکم اباحت کے کوئی راہ نہیں خصوصاً ایسی حالت میں عجماً و عرباً و شرقاً و غرباً عام مومنین بلا و بقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلا ہے تو عدم جواز کا حکم دنیا عامہ امت مرحومہ کو معاذ اللہ فاسق و فاجر بنانا ہے جسے ملت حنفیہ سمحہ سہلہ عزا بیضا ہرگز گوارہ نہیں فرماتی۔

بعد ازاں علامہ جزری، علامہ حامد عمادی، علامہ شامی کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ اور پھر علامہ طحطاوی کی تحقیق کو نقل فرماتے ہیں پھر اس پر دقیق تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پھر کراہت تنزیہہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولیٰ ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو علما تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت مجامع جواز و اباحت ہے جانب ترک میں اس کا وہ مرتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا کہ مستحب بات کیجئے تو بہتر نہ کیجئے تو گناہ نہیں۔ پس مکروہِ تنزیہی کو دائرہ اباحت مان کر گناہ صغیرہ و اعتیاد کو کبیرہ قرار دینا سخت لغزش و خطا فاحش ہے یا رب مگروہ گناہ کونسا جو شرعاً مباح ہو اور وہ مباح کیسا جو شرعاً گناہ ہو۔

اس کے بعد بھی سیر حاصل گفتگو فرمانے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں اور انداز بیان دیکھئے۔

الحاصل: معمولی حقہ کے حق میں تحقیق حق و تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز و مباح و صرف مکروہ تنزیہی ہے یعنی جو نہیں پیتے بہت اچھا کرتے ہیں جو پیتے ہیں کچھ برا نہیں کرتے۔ (فتاویٰ رضویہ شریف و احکام شریعت حصہ سوم ص ۲۶۵-۲۵۶)

دیکھا آپ نے یہ ہے فاضل بریلوی کا وہ انداز تحقیق کہ جس سے فقہ حنفی کی جامعیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ فقہ حنفی کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ ہر مسئلے میں باریک سے باریک بھی کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا جاتا۔ سیدنا امام اعظم و دیگر ائمہ ثلاثہ کے تعلق سے یہ قبول حق ان لوگوں کی طرف سے بھی نظر آتا ہے جو تقلید کے سخت مخالف ہیں۔ غیر مقلد جماعت کے سرکردہ مولانا عبدالوہاب خلجی لکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ ثلاثہ وغیرہم رحمہم اللہ مجتہدین امت ہیں اور ان کی کوششیں قابل ستائش، لائق استفادہ اور ان شاء اللہ باعث اجر و ثواب ہیں۔ (ماہنامہ جام نور اجتہاد و تقلید نمبر ص ۸۳۔ اپریل ۲۰۰۷ء)

آخر میں اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہ حنفی اسلام کا وہ روشن دریچہ ہے جس کی جامعیت ہمیں پورے عالم اسلام میں بخوبی نظر آتی ہے اور اگر فتاویٰ رضویہ کی بات کریں تو اس میں فقہ حنفی کی جامعیت کی جھلکیاں ہر ہر سطر میں نظر آتی ہیں۔

□□□

حسام الحرمین: ایک مطالعہ

مولانا محمد صادق رضا مصباحی: ممبئی

''۔۔۔۔۔۔ چالاک انگریز کی عیاری اور کچھ اپنوں کی غداری کی بدولت ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہوا کہ انگریزوں نے ہندستان کی زرخیزی اور خوش حالی دیکھ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں ہندستان میں پنجے گاڑنا شروع کر دیے اور رفتہ رفتہ یہاں ان کے تسلط کا راستہ ہموار ہو گیا۔ اس کے لیے انہوں نے کیا کیا جتن کیے، تاریخ کا ہر ہر ورق اس کی شہادت کے لیے کافی ہے۔ پہلے پہل انہوں نے اپنے مذہب عیسائیت کی تبلیغ کی۔ بہت سارے پادریوں کو لندن سے بلا کر ہندستان کی زمین میں اتار دیا۔ اسی ماحول میں ایک دن ہندستان کے تمام تعلیم یافتہ مسلمانوں اور حکومت کے مسلم ملازموں کے پاس ایک خط روانہ کیا گیا۔۔۔۔۔''

چند ماہ پہلے ایک کتاب ''حسام الحرمین'' کے سو سال دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ خوب صورت سرورق اور نئے عنوان نے مطالعہ پر ابھارا۔ مطالعے کے بعد اندازہ ہوا کہ کتاب کافی معلومات افزا ہے۔ اس کے مصنف کوئی ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی ہیں۔ یہ کتاب ''**حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین**'' کے پس منظر اور اسباب و محرکات کا کلی طور پر احاطہ کرتی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے خاصہ مواد جمع کر دیا ہے۔ کتاب کے ایجابی اور سلبی پہلوؤں سے پردہ اٹھانے سے پہلے حسام الحرمین کے بارے میں قارئین کے افادہ کے پیش نظر کچھ گفتگو کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

''**حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین**'' امام احمد رضا بریلوی کی وہ کتاب ہے کہ جس سے برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کا ایمانی رشتہ وابستہ ہے۔ دراصل یہ کتاب علمائے حرمین شریفین کے ان فتاویٰ اور امام

احمد رضا کی ''المستند المعتمد بناء نجاة الأبد'' کی تقاریظ پر مشتمل ہے جو علماے حرمین نے مرزا غلام احمد قادیانی، رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی اور خلیل احمد انبیٹھوی کے کفریہ کلمات پر تحریر فرمائی ہیں اس اجمال کی قدرے تفصیل جاننا ضروری ہے۔

چالاک انگریز کی عیاری اور کچھ اپنوں کی غداری کی بدولت ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہوا کہ انگریزوں نے ہندستان کی زرخیزی اور خوش حالی دیکھ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں ہندستان میں پنجے گاڑنا شروع کر دیے اور رفتہ رفتہ یہاں ان کے تسلط کا راستہ ہموار ہوگیا۔ اس کے لیے انہوں نے کیا کیا جتن کیے، تاریخ کا ہر ورق اس کی شہادت کے لیے کافی ہے۔ پہلے پہل انہوں نے اپنے مذہب عیسائیت کی تبلیغ کی۔ بہت سارے پادریوں کو لندن سے بلا کر ہندستان کی زمین میں اتار دیا۔ اسی ماحول میں ایک دن ہندستان کے تمام تعلیم یافتہ مسلمانوں اور حکومت کے مسلم ملازموں کے پاس ایک خط روانہ کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا:

> ''اب ہندستان میں ایک عمل داری ہوگئی۔ تار برقی سے ہر جگہ کی خبر ایک ہوگئی ریلوے اور سڑک سے ہر جگہ کی خبر ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہیے اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ''۔

(۱۸۵۷ مصنف غلام رسول مہر بحوالہ الصوارم الھندیہ تقدیم مولانا اختر شاہ جہاں پوری ص ۸)

لیکن متحدہ ہندستان کے غیور مسلمانوں نے ان کے خوابوں کا جنازہ نکال کر رکھ دیا اور انہیں اس میں قطعاً کامیابی نہ مل سکی، بلکہ اُلٹا نقصان اٹھانا پڑا۔ اور ۱۸۵۷ء میں ہندستانیوں اور انگریزوں کے درمیان ایک بھیانک تصادم ہوا۔ قریب تھا کہ انگریز ہندستان چھوڑ کر بھاگ جائیں کہ ضمیر فروشوں اور وطن غداروں نے ہندستان کے ماتھے پر ظلم و بربریت اور غلامی کا جھومر لٹکانے میں ایسا لائقِ مذمت اور قابلِ افسوس کارنامہ انجام دیا جس کی وجہ سے ہندستان کی شوکت و رفعت کے سورج کو گرہن لگ گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز ۱۹۴۷ء تک مزید نوّے سال کے لیے وطنِ عزیز پر مسلط ہو گئے۔

ایک پالیسی میں ناکام ہونے کے بعد دوسری ترکیب یہ نکالی گئی کہ ایسے ایسے لوگوں کو تیار کیا جائے کہ جن کے ذہن و فکر سے انہیں کی صداے بازگشت سنائی دیتی ہو، جنھوں نے ان کی تہذیب و فکر کا دامن تھام رکھا ہو اور جو وطن کے اعتبار سے تو ہندستانی ہوں لیکن فکری سطح سے مغربی۔ چنانچہ اس ترکیب میں ان کو بڑی زبردست کامیابی ملی اور سر سید احمد خان (متوفی ۱۳۱۶ھ) کی شکل میں انہیں مطلوبہ آدمی مل گیا۔ سر سید عربی و فارسی کو براے نام رکھتے ہوئے انگریزی تعلیم کا قصیدہ پڑھنے لگے۔ انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعے اس طور پر تبلیغ کی گویا مسلمانوں کا تابناک مستقبل انگریزی تعلیم کی راہ ہی سے اوجِ ثریا پر پہنچ سکتا ہے۔ ان کی تقریر و تحریر سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ملتِ اسلامیہ کی بدحالی کا درد اُن کے سینے میں نچوڑ دیا گیا ہے۔ اپنے تعلیمی منصوبے کو لباسِ عمل پہنانے کے لیے علی گڑھ میں ایک کالج کی بنیاد رکھی، جو آج

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے نام سے دنیا بھر میں معروف ہے۔ انگریزیت کے زیر اثر سر سید نے کئی متفق علیہ اور منصوص عقاید و مسائل کا انکار کر دیا اور ایک نیچری فرقہ کے بانی بن بیٹھے۔ آج بھی کثیر لوگ ان کے عقایدی خطوط پر گامزن ہیں۔ اُن کے عقاید کے خلاف علماے اہلِ سُنّت نے نعرۂ احتجاج بلند کیا اور سر سید پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ علماے دیوبند نے بھی ان کے خلاف اپنے قلم کا نشتر چلانے سے گریز نہ کیا۔ سر سید کے حمایتی آج بڑے زور وشور سے یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ سر سید پر علماے کرام نے محض انگریزی تعلیم کی حمایت کرنے پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا حالانکہ یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جس کی کوئی بھی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ سر سید کی تحریک کے زیر اثر مسلمانوں کا ایک بڑا حلقہ انگریزی تعلیم کے موافق ہو گیا، بس پھر کیا تھا رفتہ رفتہ عصری ادارے قائم کیے جانے لگے اور دینی علوم کو براے نام نصاب میں شامل کیا گیا اور آج بھی ایسے ہزاروں مکاتب اور اسکول ہندستان بھر میں موجود ہیں۔ یہاں غیر مسلم اسکولز اور کالجز کو تو جانے دیجیے کہ ان کا قیام ہی اسلام کی جڑیں اُکھاڑنے کے لیے کیا گیا ہے، افسوس تو ان مکاتب اور مسلم اسکولوں پر ہے جہاں براے نام دینی تعلیم ہوتی ہے اور وہ بھی نہایت سطحیت بداماں۔ یہاں کے طلبہ کا فکری و نظریاتی رخ کس طرف ہوتا ہے؟ ان مکاتب اور اسکولز کا معیار، نصاب اور نظام کیا ہے؟ یہاں کے مسلم اساتذہ مسلم نونہالوں کے بے نقش وغبار اذہان وافکار کا کس طرح سے غیر شعوری طور پر اسلامی تہذیب سے اغوا کر رہے ہیں؟ یہ ایسے تلخ

”۔۔۔۔۔ایک طرف تو یہ گھناؤنی سازش کی گئی کہ دنیا دار لوگوں کو خریدا گیا اور دوسری طرف ایسے علما کو ڈھونڈا گیا جو اُن کے زر خرید غلام ہوں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عوام علما سے وابستہ رہتے ہیں، ان کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ یہی علما انجام دیتے ہیں، دنیا دار لوگوں کو یہ گھاس بھی نہیں ڈالتے۔ چنانچہ انہوں نے مولوی مملوک العلی (متوفی ۱۳۹۸ھ) کی سرکردگی میں ایسے علما کی کھیپ تیار کرائی تاکہ ان سے تخریبِ دین اور مسلمانوں کے درمیان نفرت و اختلاف کے بیج بونے کا کام بآسانی لیا جا سکے۔ انگریزوں نے انہیں واسطہ یا بالواسطہ وظیفہ دے کر ایسے ایسے دعاوی کرائے اور ایسی ایسی کتابیں لکھوائیں جو صدیوں سے چلے آرہے متوارث عقاید و معلومات کے یکسر متصادم تھیں۔۔۔۔۔“

مگر صداقت سے مملو حقایق ہیں جو ایک تفصیلی مضمون کے متقاضی ہیں، اس پر گزارشات پھر کبھی بتوفیق الٰہی۔

قارئین کرام! ان معروضات سے میرا زاویۂ نظر یہ نہیں کہ ماضیِ قریب میں جن بزرگوں نے انگریزی تعلیم کی وکالت کی تھی، ان کا بھی نظریاتی رشتہ انگریزوں کی سازشوں سے جوڑا جائے بلکہ ان کی حمایت و وکالت کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمان دینی علوم کے ساتھ عصری علوم حاصل کر کے اسلام پر کیے جارہے حملوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔ گویا ان کے مقاصد اور تائید و حمایت میں خلوص کی آمیزش تھی اور سر سید کی تحریک سے اگرچہ مسلمانوں کو فایدہ ہوا

اور ہو رہا ہے۔ ان کی تعلیمی بدحالی پر کچھ حد تک بریک لگ چکا ہے لیکن تاریخی حقایق کی روشنی میں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ سرسید کی فکری جڑیں انگریزی سازشوں کی زمین میں پیوست تھیں۔ لیکن ملّتِ اسلامیہ کی بدحالی پر مصنوعی درد، بناوٹی ہم دردی اور اس کے مذہبی پیکر نے اس پر پردہ ڈال رکھا تھا تو نتیجے کے طور پر یہ عرض کرنے میں مجھے کوئی باک نہیں کہ انگریز آقاؤں کی خوش نودی اس کا مقصدِ اولیٰ تھا اور مسلمانوں کے لیے تعلیمی اُٹھان کی کوشش ثانوی اور ضمنی۔ یہ بات جملۂ معترضہ کے طور پر نکل آئی چلیے پھر اپنے ذہن کا رشتہ سابقہ سطور سے جوڑ لیں۔

ایک طرف تو یہ گھناؤنی سازش کی گئی کہ دنیادار لوگوں کو خریدا گیا اور دوسری طرف ایسے علما کو ڈھونڈا گیا جو اُن کے زر خرید غلام ہوں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عوام علما سے وابستہ رہتے ہیں، ان کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ یہی علما انجام دیتے ہیں، دنیادار لوگوں کو یہ گھاس بھی نہیں ڈالتے۔ چنانچہ انہوں نے مولوی مملوک العلی (متوفی ۱۳۹۸ھ) کی سرکردگی میں ایسے علما کی کھیپ تیار کرائی تاکہ ان سے تخریبِ دین اور مسلمانوں کے درمیان نفرت و اختلاف کے بیج بونے کا کام بآسانی لیا جا سکے۔ انگریزوں نے انہیں واسطہ یا بالواسطہ وظیفہ دے کر ایسے ایسے دعاوی کرائے اور ایسی ایسی کتابیں لکھوائیں جو صدیوں سے چلے آرہے متوارث عقاید و معلومات کے یکسر متصادم تھیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کرایا گیا، مولوی اسماعیل دہلوی سے 'تقویۃ الایمان' لکھوائی گئی، قاسم نانوتوی نے 'تحذیر الناس' لکھی، اشرف علی تھانوی نے 'حفظ الایمان' میں اپنی خباثتوں کا اظہار کیا، خلیل احمد انبیٹھوی اور رشید احمد گنگوہی نے 'براہین قاطعہ' لکھ کر خود کو انگریزوں کا زر خرید غلام ثابت کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی انگریزوں کے وظیفہ خواروں (علما) نے اس طرح کی کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں کا وجود میں آنا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ متحدہ ہندستان میں آگ لگ گئی ہو، گھر گھر سے نفرت و اختلاف کا دھواں بلند ہونے لگا، ایک بھائی دوسرے بھائی سے برسرپیکار نظر آتا تھا اور آج بھی یہ فتنہ تھما نہیں ہے بلکہ یہ نظریاتی جنگ برصغیر کی سرحدوں سے پار نکل چکی ہے۔ علماے اہلِ سُنّت نے ان کتابوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بے شمار کتابیں معرضِ وجود میں آگئیں اور آج بھی تردیدی تحریریں شائع ہو رہی ہیں۔

اسی ماحول میں حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ۱۲۷۲ھ/۱۸۵٦ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے تجدیدی کارناموں سے ان کفریات کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کفریات سے برصغیر کے مسلمانوں کو عقایدی سطح پر محفوظ فرما دیا ورنہ بدعقیدگی کا طوفان اتنے زور و شور سے اُٹھا تھا کہ اس کی موجوں سے برصغیر کے مسلمان کا بچنا بہت مشکل نظر آرہا تھا، مسلمانوں کی ایمانی کشتی اسی طوفان میں ڈوبی جارہی تھی لیکن امام احمد رضا بریلوی نے بروقت ملت کی ناخدائی کا فریضہ انجام دیا اور اپنے قلم کا ایسا نشتر چلایا کہ انگریزوں کے یہ ایجنٹ کراہے بغیر نہ رہ سکے اور

"۔۔۔۔۔یہی نہیں اس زمانے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی کئی تصانیف میں ان کے کفریات گنوائے لیکن تکفیر سے گریز کیا۔حتی کہ ۱۳۰۹ھ میں رسالہ "سبحان السبوح" پہلی بار شائع ہوا تو اس میں قائلِ کذب باری گنگوہی صاحب پر ۷۸ وجہ سے لزومِ کفر ثابت کیا لیکن تکفیر نہیں کی۔۱۳۱۶ھ میں رسالہ "الکوکبۃ الشھابیہ" شائع ہوا جس میں اسماعیل دہلوی کے ۷۰ کفریات کو شمار کرایا لیکن تکفیر سے اجتناب کیا۔امام احمد رضا نے ۱۳۱۹ھ میں تھانوی صاحب کے پاس ایک مکتوب بھی روانہ کیا تھا اور انہیں توبہ کرنے کی تلقین کی تھی لیکن ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔بالآخر مجبور ہو کر ۱۳۲۰ھ میں امام احمد رضا نے "المستند المعتمد" تحریر فرمائی اور۔۔۔۔۔"

آج تک کراہ رہے ہیں کیونکہ

کلک رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں، نہ شر کریں

ان کفریات کا سلسلہ ۱۲۹۰ھ سے جاری ہوا اور ۱۳۲۰ھ میں امام احمد رضا نے "المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد" تحریر فرمائی اور اس میں پانچوں ایجنٹوں (مرزا غلام احمد قادیانی، قاسم نانوتوی، اشرف علی تھانوی، خلیل احمد انبیٹھوی اور رشید احمد گنگوہی) کی تکفیر کا شرعی فریضہ انجام دیا اور ۱۳۲۳ھ میں جب آپ حج کو گئے تو علمائے حرمین شریفین نے اس کتاب پر اپنی تائید وتوثیق کی مہر ثبت فرمائی اور اس پر اپنی شاندار تقاریظ رقم فرمائیں اور ان کفریات کے قائلین کو حرمین شریفین کے علما نے خارج از اسلام قرار دیا اور جو ان کے کفر میں شک کرے اسے بھی کافر قرار دیا۔اس طرح اللہ عزوجل نے امام احمد رضا قدس سرہ کے فتویٰ کے آبگینے کو علمائے حرمین شریفین کی تائید وتوثیق کے فانوس سے روشن کیا۔

اس سلسلے میں ہمارے فکری حریفوں کی جانب سے آفاقی سطح پر یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کافر کہنے میں بہت بے باک تھے ان کے قلم کے منجنیق سے سوائے کفر کی گولہ باری کے اور کچھ نہ نکلتا تھا۔چلیے ہم حقائق کو ہم آئینہ کر کے اس جھوٹ اور پروپیگنڈے کا جائزہ لیتے ہیں۔

راقم اوپر عرض کر چکا کہ ان کفریات کا سلسلہ ۱۲۹۰ھ سے شروع ہوا اور امام احمد رضا نے ۱۳۲۰ھ میں المستند المعتمد لکھ کر ان کی شرعی تکفیر اور تین سال بعد علمائے حرمین نے ان کے اس فتویٰ پر تصدیقات وتقریظات تحریر فرمائیں۔ان تیس سالوں میں امام احمد رضا نے خطوط کے ذریعے انہیں خوب سمجھایا اور انتظار کیا کہ وہ اپنے کلمات خبیثہ سے باز آجائیں لیکن وظیفہ خواری کی حرص وطمع نے ان کی زبان گنگ اور قلم کی روشنائی خشک کر دی تھی۔ بریلی شریف سے ساری کفریہ عبارتوں کا ایک رد شائع ہوتا اس سے بیس سوالات منتخب کر کے ایک وفد کے ذریعے تھانوی صاحب کے پاس بھیجے گئے کہ ان سوالات کا بقلم خود جواب دیجیے۔لیکن تھانوی صاحب نے کیا کہا، سُنیے:

''ایک نہ ہزار نہ معاف کیجیے میں اس فن میں جاہل، مَیں اور میرے اساتذہ جاہل ہیں جو شخص تم سے دریافت کرے اسے ہدایت کرو۔ طبیب کا کام نسخہ لکھ دینا ہے، یہ نہیں کہ مریض کی گردن پر چھری رکھ دے کہ تو پی لے۔ تم اپنی اُمت میں سب کو داخل کرلو، مَیں جو کچھ کہہ چکا ہوں، کہوں گا۔ مجھے معقول بھی کر دیجیے تو بھی یہی کہے جاؤں گا۔ مجھے معاف کیجیے، آپ جیتے، میں ہارا۔''

(وقعات السنان مطبوعہ لاہور ص ۶۷، بحوالہ الصوارم الهند یہ تقدیم مولانا اختر شاہجہاں پوری ص ۲۷)

تھانوی صاحب کا جواب ایک بار پھر پڑھ لیجیے، اگر آپ واقعی حق کے دوست اور باطل کے دشمن ہیں تو بتائیے کہ کیا اس جواب سے مذکورہ پروپیگنڈہ اور جھوٹ کا جنازہ نہیں نکل رہا ہے؟ اگر واقعی اعلیٰ حضرت نے ان کے خلاف کفر کی مشین چلائی تھی تو کیوں نہ تھانوی صاحب نے اس وفد سے اپنا مدعا رکھا؟ اس جواب سے پتہ چل رہا ہے کہ اس اعتراض کی حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے اور صرف جھوٹ ہے۔

اگر نظروں پر بار نہ ہو تو ایک اور نا قابل تردید حقیقت سنیے، جو ان کے جھوٹ کے غبارے کی ہوا نکالنے کے لیے کافی ہے۔

مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری لکھتے ہیں:

''جن اشرف علی تھانوی نے یہ کہہ کر جان چھڑائی، تحریری جواب نہ دیے تو وہی سوالات ان کے پاس بذریعہ رجسٹری بھیجے گئے۔ تھانوی جی نے رجسٹری واپس کردی۔ تیسری مرتبہ رسالہ ''ظفرالدین الجید'' ۱۳۳۳ھ کی صورت میں پیش کیے گئے، لیکن مصنف کے حکیم الامت جناب تھانوی جی کا منھ (تھا) نہ کھلا۔ چوتھی مرتبہ رسالہ ''بطش غیب'' کے ذریعہ تھانوی صاحب اور سارے دیوبندی قبیلے سے جواب مانگا لیکن وہی یا مظہر العجائب، جواب مع مجیب غائب۔''

(الصوارم الہندیہ تقدیم مولانا اختر شاہجہاں پوری ص ۲۷ مطبوعہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

یہی نہیں اس زمانے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی کئی تصانیف میں ان کے کفریات گنوائے لیکن تکفیر سے گریز کیا۔ حتی کہ ۱۳۰۹ھ میں رسالہ ''سبحان السبوح'' پہلی بار شائع ہوا تو اس میں قائلِ کذب باری گنگوہی صاحب پر ۷۸ وجہ سے لزومِ کفر ثابت کیا لیکن تکفیر نہیں کی۔ ۱۳۱۶ھ میں رسالہ ''الکوکبۃ الشہابیہ'' شائع ہوا جس میں اسماعیل دہلوی کے ۷۰ کفریات کو شمار کرایا لیکن تکفیر سے اجتناب کیا۔ امام احمد رضا نے ۱۳۱۹ھ میں تھانوی صاحب کے پاس ایک مکتوب بھی روانہ کیا تھا اور انہیں توبہ کرنے کی تلقین کی تھی لیکن ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ بالآخر مجبور ہوکر ۱۳۲۰ھ میں امام احمد رضا نے ''المستند المعتمد'' تحریر فرمائی اور تکفیر کا شرعی فریضہ انجام دیا۔ اور علماے حرمین شریفین نے بھی اس کتاب پر تصدیق فرمائی اور ان کے کفریہ کلمات پر کفر وارتداد کی مہر لگا دی۔ ان ہی تقاریظ وتصدیقات اور توثیقات وتائیدات کے مجموعہ کا نام ''حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین'' ہے جو ۱۳۲۲ھ سے اب تک شائع ہورہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیار سے بھی کافر ومرتد

قرار دیے جانے کے بعد متحدہ ہندستان میں ان لوگوں کی بڑی بھد ہوئی، تو انبیٹھوی صاحب نے اندھے عقیدت مندوں کی تحریک پر اور اپنی عزت کا بھرم رکھنے کی خاطر ''المھنّد'' لکھی اور دارالعلوم دیوبند کے مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے ''شہاب ثاقب''، لکھی، جسے کتاب نہیں گالی نامہ کہنا زیادہ صحیح ہے۔ جسے یقین نہ آئے پڑھ لے۔ اس کے ردّ عمل میں حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے ''التحقیقات لدفع التلبیسات'' نامی رسالہ لکھ کر ''المہند'' کے فریب اور جعل سازی کو سرعام ننگا کر دیا اور مفتیِ سنبھل مولانا مفتی شاہ اجمل صاحب (متوفی ۱۹۶۴ء) نے ردّ شہاب ثاقب نامی کتاب تحریر فرمائی اور ٹانڈوی صاحب کے لگائے گئے الزامات کا اچھی طرح تعاقب فرمایا۔ جب ان کی یہ کوشش ثمر بار نہ ہوئی تو ایک سازش کے تحت یہ غوغا آرائی کی کہ اعلیٰ حضرت نے علماے حرمین کو دھوکے میں رکھا۔ حرمین شریفین کے علما چونکہ اردو سے ناواقف تھے، اس لیے علماے حرمین نے ناواقفی میں تصدیق کر دی تھی۔ اگر ان کے سامنے صحیح صورتِ حال پیش کی جاتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ ان کا یہ اعتراض اتنا کمزور ہے کہ تارِ عنکبوت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اس اعتراض کی حقیقت کیا ہے؟ اہلِ علم حضرات سے قطعاً مخفی نہیں۔ بہرحال ان کا منھ بند کرنے کے لیے شیر بیشۂ اہلِ سُنّت مولانا حشمت علی خان علیہ الرحمۃ نے ''الصوارم الھندیہ علی مکر الشیاطین الدیوبندیۃ'' ترتیب دے کر ان کے ترکش کے آخری تیر کو بھی زنگ آلود بنا دیا۔ آپ نے 'الصوارم الھندیۃ' میں ہندستان کے ۲۶۸

''۔۔۔محترم ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حسام الحرمین کی عمر سوسال ہونے پر ''حسام الحرمین کے سوسال'' نامی کتاب لکھ کر پورے دیوبندی کنبے کو ایک بار پھر چوراہے پر ننگا کر دیا ہے۔ اور مخالفین کی جانب سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کے ازالے کا بہت اچھا موقع فراہم کیا ہے۔ موصوف تحصیل جہانیاں، ضلع خانیوال، ملتان شریف، پاکستان کے باشندے ہیں۔ پیشہ سے ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں، غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت رکھتے ہیں، ان کو پڑھنے لکھنے سے خاصہ شغف ہے اور ماشاء اللہ صوم و صلاۃ کے پابند ہیں۔۔۔۔''

علماے کرام و مشائخ عظام سے حسام الحرمین کے مندرجات پر ان کے تائیدی فتوے اور تصدیقات لے کر شائع کیے۔ آج تک حسام الحرمین ان انگریزی ایجنٹوں کے معتقدین کے سروں پر تلوار بن کر لٹک رہی ہے۔ ان کی ساری سازشیں ناکام ہو چکی ہیں اور ان کے سارے کرتوت عوام کے سامنے آ چکے ہیں۔ یہ لوگ ویسے تو جزوی طور پر کوئی نہ کوئی سازش کرتے ہی رہتے ہیں اور خود کو مسلکِ حق پر ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں لیکن حسام الحرمین کا جواب ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ حسام الحرمین کی اشاعت سے پہلے نانوتوی اور گنگوہی تو مر چکے تھے لیکن اشاعت کے بعد انبیٹھوی صاحب ۲۲ سال اور تھانوی صاحب ۳۹ سال تک زندہ رہے۔ اگر ان کے اندر دم خم تھا تو علماے حرمین کے پاس جا کر اعلیٰ حضرت کی جانب سے دیے گئے فتوے کا ازالہ کیوں

نہیں کیا اور اپنی صفائی کیوں نہیں پیش کی؟

محترم ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حسام الحرمین کی عمر سو سال ہونے پر ''حسام الحرمین کے سو سال'' نامی کتاب لکھ کر پورے دیوبندی کنبے کو ایک بار پھر چوراہے پر ننگا کر دیا ہے۔ اور مخالفین کی جانب سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کے ازالے کا بہت اچھا موقع فراہم کیا ہے۔ موصوف تحصیل جہانیاں، ضلع خانیوال، ملتان شریف، پاکستان کے باشندے ہیں۔ پیشہ سے ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں، غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت رکھتے ہیں، ان کو پڑھنے لکھنے سے خاصہ شغف ہے اور ماشاء اللہ صوم وصلاۃ کے پابند ہیں۔ یہ کتاب ان کی قابل قدر کوشش ہے۔ یہ ۲۳×۳۶/۱۶ سائز کے ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے کاغذ اچھا اور سرورق دیدہ زیب ہے۔ اس کی اشاعت کا طرۂ امتیاز تحریک فکر رضا، ممبئی نے اپنی کلاہ میں سجایا ہے۔ کتاب کیا ہے معلومات کا خزینہ ہے۔ انگریز کے مذکورہ پانچ زرخرید غلاموں کی کفریہ عبارات کے خلاف علمائے اہل سُنّت نے جو تقریری اور تحریری خدمات سرانجام دی ہیں، ان کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ گویا یہ کتاب ہزاروں صفحات کا عطر اور بے شمار کتابوں کا خلاصہ ہے۔ سعیدی صاحب (مصنف) نے امام احمد رضا پر عائد کردہ ان الزامات پر جرح ونقد بھی کی ہے اور پھر ان کا مدلل و مفصل جواب تحریر فرمایا ہے جو علمائے دیوبند وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں۔

جماعتِ اہل سُنّت کے عظیم عالم ومصنف حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری کے سلسلے میں ہمارے بعض علمائے اہلِ سُنّت کو جو غلط فہمی ہے اس کے اسباب تحریر کیے ہیں اور پھر اس کے ازالے کی سعی بھی فرمائی ہے۔ اسی طرح علامہ ڈاکٹر اقبال کے حوالے سے ہمارے یہاں کثیر لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ وہ اہل سُنّت کے مکتب فکر کے ہیں یا نہیں؟ ان کے بعض اشعار شریعت کے مزاج سے قطعاً میل نہیں کھاتے اور بالعموم دوسرے شعرا کی طرح اقبال بھی آزاد خیال تھے، وغیرہ وغیرہ۔ ڈاکٹر اقبال کے بارے میں سعیدی صاحب مولانا منشا تابش قصوری کی کتاب ''دعوتِ فکر'' ص ۱۰۶-۱۰۵ کی عبارت پیش کرتے ہیں:

''۱۵/شوال ۱۳۵۲ھ کو مسجد وزیر خاں لاہور میں مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کا مولوی اشرف علی تھانوی سے عبارات متنازعہ پر فیصلہ کن مناظرہ طے پایا۔ مولانا حامد رضا خاں لاہور میں موجود رہے لیکن اشرف علی نہ آیا۔ اس موقع پر علامہ اقبال مرحوم نے دیوبندیوں کی متنازعہ عبارات سن کر کہا، مولانا یہ ایسی عبارات گستاخانہ ہیں۔ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا۔ ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑ جانا چاہیے۔''

بہرحال سعیدی صاحب کی یہ کتاب ہر جہت سے مفید ہے اور اس موضوع پر ایک قابلِ قدر اضافہ بھی۔ اس کتاب کو دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع کیا جائے اور اس کو زیادہ سے زیادہ لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ برصغیر کے ہر سُنّی مسلمان کو اس کتاب کے بارے میں تھوڑی بہت جان کاری ناگزیر

ہے۔اس کتاب کے بارے میں میرا شخصی تاثر یہ ہے کہ یہ کتاب جتنی معیاری ہے، اتنی ہی معیاری اس کی کمپوزنگ اور سرورق ہے۔لیکن کہیں کہیں سعیدی صاحب کے قلم سے کچھ خامیاں بھی رہ گئی ہیں جو ان کے قلم کے اعتبار کو مجروح کرتی ہیں۔جن کا تذکرہ نہ کرنا انصاف و دیانت کے منافی ہے۔

سعیدی صاحب نے ص نمبر ۴۴ پر قل ربی زدنی علماً الآیۃ کے سامنے قوسین میں سورہ کہف آیت نمبر ۱۱۴ تحریر فرمایا ہے یہ غلط ہے یہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ہے یوں ہی ص ۴۵ پر ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب۔الآیۃ کے تحت سورۃ انعام آیت نمبر ۴۹ لکھا ہوا ہے۔حالانکہ یہ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۹۰ ہے۔ایک جگہ آپ نے کرم نوازی استعمال فرمایا ہے۔یہ غلط ہے یہاں کرم فرمائی ہونا چاہیے تھا۔ص ۲۹ پر لکھتے ہیں:''مولانا سعید احمد قادری بھی طویل بحث و مباحثے کے بعد اپنی دیوبندیت سے تائب ہوکر بریلوی بنے۔'' سعیدی صاحب آپ کے خط کشیدہ جملے سے ہم قطعاً اتفاق نہ کریں گے۔ہم نے تقریروں اور تحریروں میں ایسے ہی جملے استعمال کر کے اپنے خلاف ماحول سازگار کیا ہے۔مَیں سمجھتا ہوں کہ غیروں نے ہی ہماری سُنّی جماعت کو پوری دنیا کو بریلوی فرقہ سے متعارف کرایا اور آج بھی یہ سلسلہ رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ہم لوگ مسلکی شدت کے زیر اثر لفظ بریلوی کو اتنا زیادہ استعمال کرتے ہیں کہ ایک خالی الذہن آدمی بریلوی کو فرقہ تصور کرنے لگتا ہے۔تو ہم لوگ کیوں اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔اس تناظر میں ہم سعیدی صاحب کے اس جملے پر سراپا احتجاج ہیں اور اہل سُنّت کے مصنفین، محققین اور مقررین کی بارگاہ میں عرض پرداز ہیں کہ آپ لوگ ایسے جملے قطعی استعمال نہ فرمائیں، ورنہ یہ تاریخ کی اتنی بڑی بھول ہوگی کہ جس کا خمیازہ ہماری آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑ سکتا ہے اور موجودہ ماحول کے تیکھے تیور نے اس کی پیشین گوئی بھی کردی ہے۔سعیدی صاحب نے کئی مقامات پر حاشیہ'المعتمد المستند' کو'المستند المعتمد' لکھا ہے، خیر یہ کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہے۔اسماعیل دہلوی کی کتاب کو آپ نے ''تقویت الایمان'' لکھا ہے، حالانکہ اس کا صحیح رسم الخط ''تقویۃ الایمان'' ہے۔کئی مقامات پر حسام الحرمین کو حسّام الحرمین (تشدید کے ساتھ) لکھا گیا ہے۔یہ غلطی اتنی عام ہوچکی ہے کہ بعض خواص بھی احتیاط نہیں کرپاتے۔

ص ۲۴ پر لکھتے ہیں:''**وہ بالفرض مانا بھی تو کیا مانا**'' یہاں اس نے بالفرض مانا ہونا چاہیے تھا۔

ہمیں امید ہی نہیں یقین ہے کہ سعیدی صاحب ہماری ان گزارشات کو خندہ پیشانی سے قبول فرمائیں گے۔نقطۂ اختتام تک پہنچنے سے پہلے ہم ایک بار پھر مصنف کو لائق تعریف کوشش پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تہنیت پیش کرتے ہیں اور یہ امید کرتے ہیں کہ قارئین بھی اسے پڑھے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

□□□

کنز الایمان:
اردو ترجمۂ قرآن کا منفرد عنوان

از: مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی

کنز الایمان اردو زبان میں ایک ایسا ترجمۂ قرآن پاک ہے جس میں لفظ و معنیٰ کی حرمت کی مکمل پاسداری کا مزاج و منہاج نظر آتا ہے۔ ایسا سلیس، سادہ، عام فہم اور با محاورہ ترجمۂ قرآن اردو زبان میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ پھر یہ کہ اس ترجمۂ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے مقامِ عظمت و شانِ رفعت کی بھرپور پاسبانی نظر آتی ہے تو وہیں مقامِ نبوت و ناموسِ رسالت کے تحفظ کا حق بھی ادا ہوتا نظر آتا ہے۔

اس کے قبولِ عام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے کئی تراجم شائع ہو چکے ہیں اہلِ علم و تحقیق اس کی اہمیت، واقعیت اور انفرادی خصوصیات کے حوالے سے سیکڑوں تحقیقی و تاثراتی مقالات تحریر فرما چکے ہیں، کئی جامعات میں اسکالرس حضرات نے اسے موضوعِ تحقیق بنا کر اس پر طویل تحقیق، تبصرہ و جائزہ پیش فرمایا ہے۔

قرآن فہمی کے لیے جن اساسی علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو گہری مہارت حاصل تھی وہ اسلامی علوم و معارف کا ایک چلتا پھرتا جامعہ تھے یقینا اس دور اور بعد والے ادوار کے لیے وہ اپنی مثال آپ تھے۔

وہ منصبِ الوہیت و مقامِ نبوت کی شان کے منافی کوئی لفظ تحریر نہیں فرماتے یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے غیر جانب دار، وسیع النظر اہلِ علم و اربابِ فکر نے کنز الایمان کو دیگر تراجمِ قرآن پر نہ صرف یہ کہ فوقیت دی۔ بلکہ اسے عشق و ادب کے اعتبار سے بھی نہایت محتاط ترجمۂ قرآن کی سند عطا فرمائی ہے۔ تقدیسِ الوہیت اور ناموسِ رسالت کی چوکیداری تو اعلیٰ حضرت کا طرۂ امتیاز رہا ہے ایسے تمام الفاظ کے انتخاب سے گریز فرمایا جو مقامِ الوہیت اور منصبِ نبوت کے شایاں نہیں۔

آپ کے قلم گوہر رقم سے تحریر ہونے والے ترجمۂ قرآن مقدس بنام ''کنز الایمان'' کو دیگر اردو تراجم قرآن کی دنیا میں ایک انفرادی شناخت و پہچان حاصل تھی، ہے اور رہے گی۔ یہ ترجمۂ قرآن سادہ سلیس، با محاورہ اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی مفسرین متقدمین کی تفسیرات و توضیحات کے عین مطابق ہے۔ اس تعلق سے مشہور اسلامی اسکالر حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری تحریر فرماتے ہیں:

''انہوں نے قرآن کریم کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا قرآن فہمی کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر انہیں گہرا عبور حاصل تھا۔ شان نزول، ناسخ و منسوخ، تفسیر بالحدیث، تفسیر صحابہ و استنباط احکام کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی سبب ہے کہ اگر قرآن پاک کے مختلف تراجم کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو ہر انصاف پسند کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام احمد رضا کا ترجمہ''

کنز الایمان'' سب سے بہتر ترجمہ ہے جس میں شانِ الوہیت کا احترام بھی ملحوظ اور عظمتِ نبوت ورسالت کا تقدس بھی پیش نظر ہے''

شہرت یافتہ ادیب وقلمکار حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ ''کنز الایمان'' پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''قرآن حکیم کا جو ترجمہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے حق یہ ہے کہ اس پائے کا سلیس، بامحاورہ اور ذمہ دار ترجمہ آج تک اردو زبان کی تاریخ میں نہیں ملتا۔۔۔۔۔۔رائج الوقت اردو کے ایک ایک ترجمے کو دیکھ لیا جائے زبان ومحاورے کی بھرپور رعایت کے ساتھ سوزِ محبت اور گدازِ عشق میں ڈوبا ہوا اس درجہ محتاط ترجمہ کہیں نظر نہ آئے گا'' (قلمی بیاض سے)

اگر ایک طرف عقیدت مندوں، نیاز مندوں نے کنز الایمان کی انفرادیت اہمیت اور خصوصیات پر کھل کر اپنے تأثرات وتبصرے تحریر فرمائے تو وہیں اغیار ومخالفین کی جماعت سے بھی اہل علم وتحقیق کے تبصرے معرضِ وجود میں آئے۔۔۔اس سلسلے میں امیر جماعت اہل حدیث استاذ ''سعید بن یوسف زی'' نے اس کی انفرادی خصوصیت کے حوالے سے اپنا تبصرہ محفوظ فرمایا اور دیگر تراجم قرآن پاک کو اس کے مقابل غیر محتاط قرار دیا۔ آپ بھی دیدۂ عبرت سے یہ تبصرہ ملاحظہ کریں:

''یہ ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقتِ ترجمہ اس کی جلالت وتقدیس وعظمت وکبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتبۂ فکر کے علما کے ہوں ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔

اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا شفیع روز جزا سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقتِ ترجمہ مولانا احمد رضا خان نے اوروں کی طرح صرف لفظی ومعنوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحبِ ماینطق عن الھویٰ ورفعنا لک ذکرک کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمہ میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علمائے اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی''

مشہور ادیب، دانشور اور صحافی مولانا کوثر نیازی کنز الایمان کا خطبہ کچھ اس طرح تحریر کرتے ہیں:

''امام احمد رضا نے عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے۔ کنز الایمان روح پرور ترجمہ عشقِ رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے''

جماعت مخالفین کے یہ وہ افراد ہیں جن سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا شدید مسلکی ونظریاتی اختلاف ہے ان کے دلوں میں اس عبقری کی عقیدتوں کے چراغ روشن نہیں ہیں۔ لیکن جادو وہ، جو سر چڑھ کر بولے!

حقیقتوں کا یہ برملا اعتراف امام احمد رضا کی عقیدت مندیوں، نیاز مندیوں کے پس منظر میں نہیں ہے۔ بلکہ ان کے بیکراں علم وفضل کا یہ حقیقت پسندانہ اقرار واعتراف ہے۔۔۔۔

تفسیر قرآن پاک کے حوالے سے علمائے علم تفسیر نے چار اصول کی نشاندہی فرمائی ہے۔

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن (۲) تفسیر القرآن بالحدیث (۳) تفسیر القرآن بآثار الصحابۃ والتابعین (۴) تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ والقواعد الاسلامیۃ

کنز الایمان کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والے ارباب علم وتحقیق پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ

ترجمۂ قرآن پاک علمائے مفسرین کے بیان کردہ اصول وضوابط کے عین مطابق ہے۔۔۔

اعلیٰ حضرت نے ترجمۂ قرآن کا یہ عظیم اور روشن تاریخی کارنامہ جس انداز میں انجام دیا وہ یقیناً ان کی خداداد علمی لیاقتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہیں اسلامی علوم وفنون پر گہری دسترس تھی کچھ علوم وفنون تو انہوں نے باقاعدہ اساتذۂ ذی وقار کی بارگاہ میں حاضری دے کر حاصل کیے لیکن کچھ علوم وفنون ایسے بھی ہیں جن میں ان کا کوئی استاذ نہیں۔۔۔۔۔۔انہوں نے اپنی خداداد فکری صلاحیتوں سے اساتذہ کی رہنمائی کے بغیر وہ فنون حاصل کیے۔ ان کے افکار وخیالات پر گہری نظر رکھنے والے اصحابِ علم وتحقیق پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ وہ علم لدنی کے مالک تھے۔

اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا کی حیات گوناگوں علمی مشاغل میں اس قدر مصروف تھی کہ انہیں بعض دیگر اہم گوشوں کی جانب متوجہ ہونے کا موقع میسر نہ آتا۔۔ظاہر ہے کہ ترجمۂ قرآن مقدس کا عظیم کارنامہ کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں بلکہ اس کے لیے باقاعدہ اہتمام و انتظام درکار ہے۔۔۔صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی امجد علی قادری رضوی تلمیذ وخلیفہ امام احمد رضا نے کسی موقع سے اردو ترجمۂ قرآن کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے درخواست گزاری۔ ''سوانحِ اعلیٰ حضرت'' کے قلم کار حضرت مفتی بدر الدین احمد قادری کے قلم سے یہ ترجمۂ قرآن تحریر کیے جانے کی تمہید ملاحظہ کیجئے اور اس عبقری کی خداداد صلاحیتوں ولیاقتوں کا خطبہ پڑھئے:

''جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمے کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا''

ترجمے کا طریقۂ کار یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور حضرت صدر الشریعہ لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفاسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے بعدۂ آیت کے معنیٰ کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فرفر فرفر پڑھتا جاتا ہے۔

حیرت بالائے حیرت تو یہ ہے کہ قرآن مقدس کا یہ ترجمہ فی البدیہہ برجستہ اور کتب تفاسیر ولغت کی مدد لیے بغیر ہوتا رہا لیکن ترجمہ نگاری کے بعد کوئی مقام اہل علم کو ایسا نہیں ملا جہاں کتب تفاسیر ولغت کے خلاف ترجمہ نظر آیا ہو۔۔اس سلسلے میں اہل علم کی آراء تحریر کرتے ہوئے مفتی بدر الدین احمد رضوی رقم طراز ہیں:

''جب صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہا اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے''

تفاسیر متقدمین اور کتب لغت کے عین مطابق اس قدر سلیس با محاورہ ترجمۂ قرآن مقدس ایک اندازے کے مطابق چار پانچ سال کی مختصر سی مدت میں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔۔بالائے حیرت تو یہ ہے کہ نماز عشا کے بعد تھوڑا سا وقت اس اہم کام کے لیے مخصوص تھا۔۔

سیدی اعلیٰ حضرت کے دوسرے اہم علمی کارناموں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اِس تاریخی اور اہم کارنامے پر توجہ کی جائے تو یہ خود آپ کی عبقریت کا ایک روشن شہادت نامہ ہے۔۔۔۔۔۔ اہل علم وفکر پر یقیناً یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ ترجمہ نگاری کا کام کس قدر اہم اور مشکل ہے پھر معاملہ جب فرمانِ الٰہی اور قرآن مقدس کی ترجمہ نگاری

کا ہو تو مشکلات اور بھی سخت ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ احتیاط کا تقاضہ مزید شدت اختیار کر جاتا ہے اور وہ بھی کتب تفاسیر ولغت کی بظاہر مدد لیے بغیر۔ بعد میں کتب تفاسیر ولغت متقدمین سے مطابقت کی جاتی تو اسے ان کے خلاف نہ پایا جاتا۔۔۔

قرآن مقدس کی چند آیات کے تراجم (جو مختلف ترجمہ نگاروں کے قلم سے ہوئے ہیں) کے تقابلی مطالعہ سے کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کی اہمیت، واقعیت، انفرادیت اور خصوصیت پہ مہر لگ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ ناظرین پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ اس ترجمۂ قرآن پاک کو لاریب دوسرے اردو تراجم پر فوقیت وانفرادیت حاصل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ثبوت کے لیے چند آیات کا تقابلی جائزہ ملاحظہ ہو:

(۱) ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین

قرآن پاک کی اس آیت کا اردو ترجمہ تحریر کرتے ہوئے عام ترجمہ نگاروں نے جو ترجمہ لکھا ہے وہ انصاف پسند قارئین کے روبرو ہے:

مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا مکر سب سے بڑھ کر (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

اور وہ اپنا داؤں کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤں کر رہا تھا اور اللہ سب داؤں کرنے والوں میں بہتر داؤں کرنے والا ہے (مولانا وحید الزماں)

تو ادھر وہ چال چل رہے تھے اور ادھر خُدا چال چل رہا تھا اور خُدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے (فتح محمد خاں جالندھری)

ان تمام مترجمین نے شانِ الوہیت کے منافی الفاظ کے استعمال میں جس جسارت کا مظاہرہ کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ قابلِ صد افسوس ہے بلکہ مقامِ حیرت بھی ہے۔

ایک سلیم الطبع اور زندہ ضمیر مومن اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں داؤں چلنے والا، چال چلنے والا جملہ استعمال نہیں کر سکتا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اب ذرا اسی تناظر میں اس آیت قرآنی کے ترجمے میں اعلیٰ حضرت کا ایمانی تیور ملاحظہ فرمائیے:

ان کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے (کنز الایمان)

□□

(۲) اللہ یستھزئ بھم (البقرۃ:۱۵)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے عام مترجمین نے لفظ ''استہزاء'' کا ترجمہ رقم کرتے ہوئے اللہ جل شانہ کے مقام عظمت کے ساتھ جو ناروا سلوک اختیار کیا ہے اسے دیدۂ عبرت ہو تو پڑھیے:

اللہ ان منافقوں سے ٹھٹھا کرتا ہے (سر سید احمد خاں)

اللہ ان کی ہنسی اڑاتا ہے (مرزا حیرت دہلوی)

اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے (مولانا وحید الزماں)

ان منافقوں سے خُدا ہنسی کرتا ہے (فتح محمد خاں جالندھری)

اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرتا ہے (محمد جوناگڑھی)

اس آیت کے تحت بھی ترجمہ نگاروں نے اسی ذہنی خباثت کا اظہار کیا ہے جو ایک مردِ مومن کے قلب وجگر کے لیے ناسور بن کر رہ گیا ہے۔ غور فرمائیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ زیبا میں کس طرح کے سطحی وسفلی الفاظ کا استعمال روا رکھا گیا ہے، ٹھٹھا کرنا، ہنسی اڑانا، دل لگی کرنا، مذاق کرنا **استغفر اللہ**

مگر اعلیٰ حضرت کی ترجمہ نگاری کا یہ حسین منظر ملاحظہ کیجئے:

اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے

□□

(۳) ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض

فی ستۃ ایام ثم استویٰ علی العرش (اعراف: ۵۴)

اس آیت کا ترجمہ رقم کرتے ہوئے عام اردو مترجمین نے ان ربکم اللہ الذی خلق السموت و الارض فی ستۃ ایام کا ترجمہ تو قریب قریب لفظوں کے تھوڑے تغیر و تبدل کے ساتھ یکساں تحریر کیا ہے لیکن ثم استویٰ علی العرش کا ترجمہ کرتے ہوئے مقام الوہیت کی شان کے خلاف جس طرح کے الفاظ کا استعمال روا رکھا ہے وہ انصاف پسند قارئین کو یقینا ورطۂ حیرت میں ڈال دے گا:

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے پھر قرار پکڑا عرش پر (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

۔۔۔۔پھر عرش پر قائم ہوا (مولانا اشرف علی تھانوی)

۔۔پھر عرش پر جا ٹھہرا (فتح محمد خاں جالندھری)

۔۔پھر قائم ہو گیا عرش پر (مولانا عبد الماجد دریا آبادی)

۔۔پھر آسمان و زمین بنانے کے بعد تخت پر چلا (مولانا وحید الزماں)

۔۔پھر تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا (مولانا مودودی)

اردو ترجمہ نگاروں کے ان تراجم کا بغور مطالعہ فرمائیں تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ وہ تمام مترجمین جو توحید کے ٹھکیدار بنے پھرتے ہیں لفظ "استویٰ" کا ترجمہ تحریر کرنے میں ٹھوکر کھانے سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکے مقام الوہیت و ربوبیت کے منافیٔ شان ترجمہ کر کے گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے پاک ہے اس اسلامی عقیدے کے تناظر میں یہ ترجمہ قطعی شانِ الوہیت کے منافی ہے۔

اب ذرا محتاط ترین ترجمہ نگار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان میں اس آیت قرآنی کے ترجمے میں مقام الوہیت و شانِ ربوبیت کی پاسداری کے جلوے ملاحظہ فرمائیں:

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمیں چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استویٰ فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ (کنز الایمان)

□□

(۴) وما کنت تدری ما الکتٰب و الایمان (سورہ شوریٰ پ ۲۵۔ آیت: ۵۳)

اس آیت کے تحت مختلف ترجمہ نگاروں نے جو ترجمہ تحریر کیا ہے وہ غیر جانب دار قارئین کے پیش نظر ہے:

اے نبی! تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے (مولانا اشرف علی تھانوی)

تم نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو (فتح محمد خاں جالندھری)

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے (مولانا عبد الماجد دریا آبادی)

اس سے پہلے تجھ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ایمان معلوم تھا (مولانا وحید الزماں)

آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے (محمد جونا گڑھی)

تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے (مولانا مودودی)

آپ کو خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے (عبد الکریم پاریکھ)

آپ نہ تو یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے (فہیم الدین صدیقی)

دیکھا آپ نے! اس آیتِ قرآنی کا ترجمہ تحریر کرتے ہوئے کس قدر دریدہ دہنی کے ساتھ رہبر امت نبیٔ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان سے بے خبر اور ناواقف بتایا جارہا ہے۔ مومن ہونا تو دور کی بات ہے اے نبی! تمہیں ایمان کی خبر تک نہ تھی ایمان کیا ہے یہ بھی تمہیں علم نہ تھا۔

اس کے برخلاف امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت کا محتاط قلم اس سنگلاخ وادی سے کس پاکیزگی کے ساتھ گزرتا ہے کہ ان کا رہوار فکر بغیر ٹھوکر کھائے منزلِ ایمان کی پابوسی کرتا نظر آرہا ہے۔ وہ کس پاکیزگی کے ساتھ قلم کو آداب بارگاہِ نبوی کا درس دیتے ہوئے ترجمہ نگاری کے مرحلے سے گزر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے اور نہ احکامِ شرع کی تفصیل (کنزالایمان)

□□

(۵) انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر (سورہ فتح پ ۲۶۔ آیت: ۱)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ اردو زبان میں مختلف ترجمہ نگاروں نے جو تحریر کیا ہے قارئین حضرات غیر جانب دار ہوکر اسے ملاحظہ فرمائیں:

ہم نے فیصلہ کردیا تیرے واسطے شرعی فیصلہ تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور پیچھے (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

بےشک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں (مولانا اشرف علی تھانوی)

بےشک ہم نے تم کو فتح دی شرعی وصاف تا کہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے (فتح محمد خاں جالندھری)

بےشک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے (مولانا عبدالماجد دریا آبادی)

اے پیغمبر! یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہے؟ ہم نے تجھ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ تو اللہ کا شکر ادا کرے۔ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ بخش دے (مولانا وحیدالزماں)

بے شک اے نبی! ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے تا کہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو کچھ گناہ پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے (محمد جونا گڑھی)

اے نبی ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے (مولانا مودودی)

بےشک ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی کہ اللہ نے تمہاری اگلی پچھلی چوک پر بخشش فرمادی (مولانا پاریکھ)

اے محمد! ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح عطا کی تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے (فہیم الدین صدیقی)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے اردو ترجمہ نگاروں نے گستاخی اور دریدہ دہنی کی حد کردی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔۔ مسلم گھرانے کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ نبی معصوم ہوتے ہیں ان کی ذات سے کسی طرح کے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔ عصمت انبیا اسلامی عقائد کا ایک مسلم الثبوت عقیدہ ہے۔ ہاں خطائے اجتہادی ہوسکتی ہے۔ لیکن ان مترجمین نے نبی کونین سید المعصومین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو ایک پاپی گنہگار اور خطا کار کی شکل میں پیش کرکے ایمان وعقاید کی پوری عمارت کو متزلزل کردیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ نبیٔ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اظہار کیا جارہا ہے بلکہ اس بات کا بھی اقرار ہے کہ آپ سے آنے والے دنوں میں بھی گناہ کا صدور ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اب ذرا اس پس منظر میں کنزالایمان کا ایمان افروز اور روح پرور ترجمہ ملاحظہ فرما کر ان دریدہ دہنوں اور گستاخوں سے کہئے۔ ع

دیکھو! اس طرح سے کرتے ہیں سخن ور باتیں

بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی۔ تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ (کنز الایمان)

□□

(۲) ووجدک ضالا فھدی

اس آیت کا ترجمہ تحریر کرتے ہوئے بھی عام مترجمین لفظ "ضال" کی ترجمہ نگاری کرتے ہوئے منصبِ نبوت کے پاسدار نظر نہیں آتے اور یہ ان حضرات کے ہاتھوں میں بازیچۂ اطفال نظر آتا ہے۔ غیر جانب دار قارئین ملاحظہ فرمائیں:

پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سوجھائی (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلادیا (مولانا اشرف علی تھانوی)

رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا راستہ دکھایا (فتح محمد خاں جالندھری)

آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتادیا (مولانا عبدالماجد دریا آبادی)

اس نے تجھ کو بھولا بھٹکا پایا پھر راہ پر لگایا (مولانا وحید الزماں)

اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت دی (محمد جوناگڑھی)

اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا پھر ہدایت بخشی (مولانا مودودی)

اور راستے سے ناواقف دیکھا تو راستہ دکھایا (فہیم الدین صدیقی)

اردو ترجمہ نگاروں کے ان تراجم کا دل پر ہاتھ رکھ کر مطالعہ فرمایئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان تمام مترجمین نے ترجمہ نگاری کے مرحلے سے گزرتے ہوئے منصبِ نبوت ورسالت کو مدِّ نظر رکھے بغیر جس دریدہ دہنی وگستاخی کا مظاہرہ کیا ہے اس نے ان کے ایمان بالرسالۃ پہ سوالیہ نشان قائم کردیا ہے۔۔۔۔ تقریباً تمام ترجمہ نگاروں نے سید المعصومین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ سے بھٹکا ہوا، شریعت سے بے خبر، بھولا بھٹکا قرار دیا ہے۔ جب کہ سورۂ النجم میں خود اللہ تبارک وتعالیٰ بہت واضح اور صاف الفاظ میں مقام نبوت ومنصب رسالت کے تعلق سے اسلامی عقیدے کا اظہار فرما رہا ہے۔ ماضل صاحبکم وما غوی۔۔۔ (اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔۔۔۔ تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔۔۔ (کنز الایمان) ظاہر ہے ان ترجمہ نگاروں کے تراجم کی روشنی میں "ضل" کا ترجمہ گمراہی وضلالت سے کیا جائے تو نعوذ باللہ من ذلک قرآن کی یہ دو آیات آپس میں متضاد ومتصادم نظر آئیں گی۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر وہ تراجم منصب نبوت کے منافی بھی قرار پاتے ہیں

اب ذرا اس تناظر میں سیدی اعلیٰ حضرت کا محتاط ترین ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

ترجمہ نگاری کا حق بھی ادا فرمادیا اور منصب نبوت کا آبگینہ بھی چور چور اور پاش پاش ہوتا نظر نہیں آتا۔

مشتے نمونہ از خروارے کے تحت چند آیات کے تراجم کا جو تقابل پیش کیا گیا اس سے کنز الایمان کی اہمیت، انفرادیت اور خصوصیت کے جو نقوش ابھرتے ہیں وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں رہے

اوّلین تین آیات کی ترجمہ نگاری میں حضرت مترجم نے لفظ "مکر" "استہزاء" اور "استواء" کا ترجمہ کرتے ہوئے شانِ الوہیت اور مقامِ ربوبیت کی نزاکتوں کا لحاظ و پاس رکھتے ہوئے لفظوں کا بے پناہ محتاط انتخاب فرمایا ہے جب کہ آخری تین آیات میں مقامِ نبوت ومنصبِ رسالت کے آداب واحترام کی وہی جلوہ گری نظر آتی ہے جو اس کا تقاضا ہے یہی تو وہ خوبی ہے کہ جماعت مخالفین کے اصحابِ فکر وارباب قلم کی زبان پہ بھی اس کا خطبہ جاری ہوگیا اور وہ یہ تحریر کرنے پر مجبور ہوگئے کہ

"انہوں نے اپنے ترجمے میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علمائے اہلِ حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی"

معنوی اور حقیقی خوبیوں کے علاوہ زبان و بیان کی سلاست، لب ولہجے کی نفاست، لفظوں کا خوبصورت اور محتاط انتخاب اور ایجاز واختصار تو بس ع

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

□□□

حضور حجۃ الاسلام اور فقہ و افتاء

مفتی محمد راحت خان قادری، بانی و ناظم دار العلوم فیضان تاج الشریعہ بریلی شریف

"۔۔۔۔۔آپ کی پیدائش جس مکان میں ہوئی تھی وہ مکان آپ کے دادا جان رئیس المتکلمین حضرت علامہ الشاہ مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ کا تھا اور ابھی دادا جان بھی بقید حیات تھے۔ انہوں نے علوم وفنون اپنے والد گرامی قدر قدوۃ الواصلین حضرت علامہ رضا علی خاں قدس سرہ سے حاصل کر کے فضل وکمال کی بلندیوں کو طے کر کے نوعمری ہی میں شہرتوں کو حاصل کیا تھا۔علم وعمل، فکر و نظر، تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور فہم وفراست میں بے مثال تھے۔آپ کی پیدائش کے وقت والد محترم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عمر مبارک ۲۰ رسال تھی۔ایسے روشن تابناک ماحول میں آپ کا عہد طفلی شروع ہوا، ۶ رسال تک آپ نے اپنے دادا جان کی صحبت پائی، اور نقل وحکایت، بول چال کا ڈھنگ عام گھر والوں اور خصوصیت کے ساتھ اپنے دادا جان اور والد محترم سے سیکھا۔۔۔۔"

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ:

اقلیم فقہ وافتا کی بلند پایہ شخصیت حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جس خاندان کی خدمات اس میدان میں ایک طویل زمانے کو محیط ہیں۔آپ کے رشحات قلم اور آپ کی تصنیفات و تحریرات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صرف فقہ وفتاوی ہی نہیں بلکہ تفسیر وحدیث، عقائد وکلام، عربیت و بلاغت، حسن انشا وکمال تفہیم، حالات زمانہ سے آشنائی اور حکمت وتدبیر جیسے بہت سے محاسن کے جامع تھے۔

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ جہاں حسن و جمال، جود و نوال، وجیہ وخوبرو، صبر واستقلال اور تحمل بردباری وغیرہ اوصاف کے مالک تھے وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دین کی بیش بہا قیمتی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا تھا میدان علم وفن کے شہسواروں نے آپ کے اندر مندرجہ ذیل اوصاف کا مشاہدہ

کیا ہے:

(۱) قاری قرآن (۲) محدث (۳) مفسر (۴) ادیب (۵) متکلم (۶) مناظر (۷) مترجم (۸) شارح (۹) مدرس (۱۰) مصنف (۱۱) اصولی (۱۲) محقق (۱۳) ناقد (۱۴) مدبر (۱۵) مرشد و شیخ (۱۶) قائد و رہنما (۱۷) محشی (۱۸) علامہ (۱۹) مدرس (۲۰) عامل (۲۱) خطیب (۲۲) شاعر (۲۳) صحافی (۲۴) مبلغ (۲۵) مفتی

آج بھی مندرجہ بالا دعوے کی تصدیق کے لیے آپ کی تحریرات کا مطالعہ کیا جاسکتا۔

فقہ وفتاوی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنا بلند رتبہ عطا فرمایا اس کا اندازہ ان چار باتوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

(۱) تعلیم وتربیت کس ماحول میں پائی

(۲) آپ نے فتوی نویسی کس سے سیکھی

(۳) آپ کی تصنیفات وفتاوی کا مقام ومرتبہ

(۴) فقہ وفتاوی میں آپ کے تلامذہ

حضور حجۃ الاسلام کی تعلیم وتربیت

ربیع النور ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء شہر عشق ومحبت، گہوارۂ علم و ادب بریلی شریف میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے تاریخی نام ''محمد'' رکھا، پکارنے کے لیے ''حامد رضا'' تجویز فرمایا۔

آپ کی پیدائش جس مکان میں ہوئی تھی وہ مکان آپ کے داداجان رئیس المتکلمین حضرت علامہ الشاہ مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ کا تھا اور ابھی داداجان بھی بقید حیات تھے۔

انھوں نے علوم وفنون اپنے والد گرامی قدر قدوۃ الواصلین حضرت علامہ رضا علی خاں قدس سرہ سے حاصل کر کے فضل و کمال کی بلندیوں کو طے کر کے نوعمری ہی میں شہرتوں کو حاصل کیا تھا۔ علم وعمل، فکر ونظر، تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور فہم وفراست میں بے مثال تھے۔ آپ کی پیدائش کے وقت والد محترم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عمر مبارک ۲۰ رسال تھی۔ ایسے روشن تابناک ماحول میں آپ کا عہد طفلی شروع ہوا، ۶ رسال تک آپ نے اپنے داداجان کی صحبت پائی، اور نقل وحکایت، بول چال کا ڈھنگ عام گھر والوں اور خصوصیت کے ساتھ اپنے داداجان اور والد محترم سے سیکھا۔

جس طرح سے علامہ نقی علی قدس سرہ کو ان کے والد حضرت مولانا رضا علی نے خود تعلیم وتربیت دے کر علم وادب کا شہسوار بنایا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے شہزادے اعلی حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ کو تعلیم تربیت کے سانچے میں ایسا ڈھالا تھا کہ جس کی مثال کوئی دوسرا پیش کرے یہ مشکل امر ہے۔ اپنے باپ دادا کی طرح حضرت حجۃ الاسلام نے بھی تمام علوم متداولہ کی تعلیم اپنے والد محترم سے ہی حاصل کی تھی اور اپنے معاصرین میں ممتاز ہوئے۔

طالب علمی کے زمانہ میں ہی آپ نے تدریس کا سلسلہ بھی والد بزرگ کے ایما پر شروع کردیا ایک طرف علم حاصل کرتے دوسری جانب دوسروں کی تربیت کے لیے کوشاں رہتے، اور اپنے والد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی روش پر چلتے ہوئے زمانۂ طالب علمی میں درسیات کی اہم کتب پر حواشی بھی

لکھے جس پر آپ نے اپنے شیخ واستاذ اور والد گرامی اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے داد وتحسین بھی حاصل کی۔خلیفۂ حضور حجۃ الاسلام علامہ ابراہیم خوشتر تحریر فرماتے ہیں:

’’یہی وجہ ہے کہ پڑھنے کے زمانے ہی میں آپ نے درسیات کی امہات کتب، خیالی، توضیح تلویح، ہدایہ آخرین، بیضاوی، صحیح بخاری پر حواشی لکھ کر اپنے والد ذی شان کے زمانۂ تعلیم کی یاد تازہ کردی، اور خود امام احمد رضا نے ’’قال

رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف خود مسند افتا کو زینت بخشی بلکہ اپنے فرزند سعید مولانا نقی علی بریلوی کو خصوصی تعلیم دے کر مسند افتا پر فائز کیا۔ مولانا نے مسند افتا پر رونق افروز ہونے کے بعد ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتوی نویسی کا گراں قدر اور اہم فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علما وفقہا سے اپنی اعلیٰ علمی صلاحیت، بصیرت کا لوہا منوالیا۔(۴۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ

’’۔۔۔۔آپ کا سلسلۂ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے واسطہ سے منسلک ہے۔فقہ میں آپ کا سلسلہ والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے واسطہ سے شیخ عبد الرحمن مکی سے منسلک ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

’’حجۃ الاسلام کی یہ سند عالی آپ کے والد ماجد امام احمد رضا کے ذریعے ۲۸ رواسطوں سے امام اعظم ابوحنیفہ تک پھر امام اعظم سے حضرت امام حماد بن سلیمان، امام ابراہیم نخعی، حضرت علقمہ، حضرت اسود، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطوں سے حضرت سید المرسلین شارع شرع مبین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔۔۔۔۔۔‘‘

الولد الاعز‘‘ لکھ کر اپنے متعلم صاحب زادے کی تحسین فرمادی۔‘‘(۴۱)

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ نے فتوی نویسی کس سے سیکھی؟

’’تیرہویں صدی ہجری میں مولانا رضا علی بریلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں بریلی کی سرزمین پر مسند افتا کی بنیاد ڈالی، اور ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء تک فتویٰ نویسی کا گراں قدر کام بحسن وخوبی انجام دیا۔ مولانا رضا علی بریلوی

کی فتوی نویسی کا آغاز ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ خدمت بے بہا ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء تک مسلسل جاری رہا۔ حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ نے بھی فتوی نویسی اپنے والد بزرگ وار سے سیکھی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد فرماتے ہیں:

’’۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء سے ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء تک امام احمد رضا کی خدمت میں رہ کر تربیت کے مراحل طے کیے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد

۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء میں کار افتا کے لیے تیار کر دیا تھا۔ امام احمد رضا کے لیے فتوؤں میں حوالوں کی کتابیں نکالنا، سندوں کی عبارتیں تلاش کرنا آپ کے ذمے تھا، اس طرح فتوی نویسی کے لیے خود آپ بھی تیار ہو رہے تھے۔ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف کے آپ مہتمم ہوئے تو پھر یہ ذمہ داری حضرت مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے سنبھالی، جو آپ کے چھوٹے بھائی تھے، عمر میں آپ سے ۱۸؍ سال چھوٹے تھے"۔ (۴۳)

علمائے حرم اور اعلیٰ حضرت

آپ کے شیخ واستاذ اور والد محترم کا رتبۂ علم وفضل کتنا بلند ہے اس کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے بڑی بڑی ڈینگیں مارنے والے بھی ان کی تحقیق کے آگے خود کو بونا تصور کرتے ہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کے علم وفضل کا اعتراف علمائے عرب وعجم کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو آپ سے اختلاف رکھتے تھے۔ ذیل میں عرب کے مقتدر علمائے کے تاثر پیش کیے جاتے ہیں جنھوں نے کھلے دل سے آپ کی وسعت علم کا اعتراف کیا ہے۔

شیخ عبد الرحمن دھان مکی فرماتے ہیں:

"الذی شھد لہ علماء البلد الحرام بأنہ السید الفرد الامام۔" (۴۴) وہ جس کے متعلق مکہ معظمہ کے علمائے کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سرداروں میں یکتا ویگانہ ہیں۔

شیخ عبد اللہ نابلسی مدنی فرماتے ہیں:

"وھو لنادرۃ ھذا الزمان وغرۃ ھذا الدھر والاوان۔۔۔سید الشیوخ والفضلاء الکرام یتیمۃ الدھر بلاتوان۔ (۴۵) وہ نادر روزگار، اس وقت اور اس زمانے کا نور۔۔۔۔۔معزز مشائخ اور فضلا کے سردار، بلا تامل وہ زمانے کا گوہر یکتا۔

شیخ محمد عارف بن محی الدین ابن احمد فرماتے ہیں:

"فکلامہ یدل علی کمال علمہ۔" (۴۶) ان کے کمال علم پر ان کا کلام دلالت کرتا ہے۔

علامہ شیخ محمد القاسمی دمشقی تحریر فرماتے ہیں:

"جامع الکمالات والفضائل من الخط دون شرفہ کل متطاول فانہ ابن الفضل وأبوہ والمذعن لفضلہ اعداؤہ ومحبوہ، مقدارہ فی العلم جلیل ومثلہ فی الأنام قلیل۔" (۴۷) فضائل وکمالات کے ایسے جامع ہیں جن کے سامنے بڑے سے بڑا ہیچ ہے، وہ فضل کے باپ اور بیٹے ہیں۔ ان کی فضیلت کا یقین دشمن ودوست دونوں کو ہے، ان کا علمی مقام بہت بلند ہے، ان کی مثال لوگوں میں بہت کم ہے۔

حجۃ الاسلام کی سند فقہ حنفی

آپ کا سلسلۂ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے واسطہ سے منسلک ہے۔ فقہ میں آپ کا سلسلہ والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے

واسطہ سے شیخ عبد الرحمن مکی سے منسلک ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

''حجۃ الاسلام کی یہ سند عالی آپ کے والد ماجد امام احمد رضا کے ذریعے ۲۸ رواسطوں سے امام اعظم ابوحنیفہ تک پھر امام اعظم سے حضرت امام حماد بن سلیمان، امام ابراہیم نخعی، حضرت علقمہ، حضرت اسود، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطوں سے حضرت سید المرسلین شارع شرع مبین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔''(۵۳)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کی اس سند کی خوبی یہ کہ اس میں تمام اساتذہ ومشائخ حنفی ہیں۔اور یہ سند فتاوی رضویہ، قدیم، ج:۱ص:۵ رموجود ہے۔

حضرت علامہ مفتی حنیف صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے دوسرے حج وزیارت ۱۳۲۳ھ کے موقع پر ساتھ تھے۔مکہ مکرمہ میں ''شیخ محمد سعید بابصیل'' اور مدینہ طیبہ میں ''علامہ سید برزنجی'' کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔اکابر علمائے حرمین نے سندیں عطا کیں۔''علامہ خلیل خربوطی'' نے سند فقہ حنفی عطا فرمائی جو صرف دوواسطوں سے ''علامہ طحطاوی'' تک پہنچتی ہے۔''(۵۴)

آپ کی تصنیفات وفتاوی

(۱) مجموعۂ فتاوی المعروف بہ فتاوی حامدیہ

(۲) الصارم الربانی علی اسراف القادیانی

(۳) نعتیہ دیوان

(۴) تمہید وترجمہ الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ

(۵) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ

(۶) تمہید کفل الفقیہ الفاہم فی أحکام قرطاس الدراہم

(۷) تاریخی نام، خطبہ الوظیفۃ الکریمۃ

(۸) سد الفرار

(۹) سلامۃ اللہ لاھل السنۃ من سبیل العناد والفتنۃ

(۱۰) حاشیۂ ملا جلال (قلمی)

(۱۱) کنز المصلی پر حاشیہ

(۱۲) اجلی انوار الرضا

(۱۳) آثار المبتدعین لھدم حبل اللہ المتین

(۱۴) وقایہ اہل سنت، حاشیہ مکتوبات امام احمد رضا خاں

مذکورہ تصانیف کی فہرست ''تذکرۂ جمیل'' مصنفہ علامہ ابراہیم خوشتر قدس سرہ سے ماخوذ ہے اس فہرست کو انہوں نے نامکمل بتایا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی کچھ تحریریں اور بھی ہیں جن پر مصنف کو اطلاع نہ ہوسکی۔

(۱۵) اجتناب العمال عن فتاویٰ الجہال

فتاوی حامدیہ

''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' اور ''اجتناب العمال عن فتاویٰ الجہال'' یہ دونوں رسالے آپ کے مجموعۂ فتاوی ''فتاویٰ حامدیہ'' میں شامل ہیں۔فتاوی حامدیہ کے شروع میں ان دونوں رسالوں پر فتاوی حامدیہ کے مرتب حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم نشتر فاروقی صاحب تبصرہ وتعارف بھی پیش فرمایا ہے۔علامہ نشتر فاروقی صاحب نے فتاوی حامدیہ کی

"۔۔۔۔اب بھی کچھ لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ فلاں، فلاں کے پاس حضور حجۃ الاسلام کی تحریرات ہیں لیکن وہ نہیں نکالتے اگر ایسی صورت حال ہے تو بلا وجہ ایسا کرنے والے یقینا مجرم ہیں آج گلشن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے تمام پھول حامدی چمن سے ہیں انہیں سے ان کا نسبی سلسلہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے جڑتا ہے۔ عموماً تمام محبین اعلیٰ حضرت خصوصا تمام افراد خانوادۂ رضویہ پر یہ دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ کی تحریرات کے حصول واشاعت کے لیے حتی الامکان کوشش کریں۔۔۔۔"

جمع وترتیب کا کام کرنے میں پیش رفت فرمائی اس کے لیے وہ پوری جماعت کی جانب سے قابل مبارک باد ہیں، البتہ اب فتاوی حامدیہ کے اگلے ایڈیشن میں اس بات کا خیال رکھنا بھی ازحد ضروری ہے کہ اس کو کتابت کی اغلاط سے صاف کیا جائے کیوں کہ موجودہ نسخے میں کتابت کی بہت غلطیاں ہیں۔

جس نے بھی حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کی خدمت دینیہ پر جو بھی کام کیا وہ قابل مبارک باد ہے لیکن مجموعی اعتبار سے حضرت حجۃ الاسلام پر جو کام ہونا چاہیے جو کہ تمام سنیوں پر عموما اور ہم وابستگان سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ پر خصوصا قرض ہے، جو کام ہونا چاہیے اس کے مقابلہ میں کیا ہوا کام بہت زیادہ کم بلکہ نہ کے برابر ہے۔ فتاوی حامدیہ ہی کو دیکھیے اس میں صرف ۱۳؍فتاوی درج ہیں۔ جن کے صفحات کی تفصیل استفتا اور تصدیقات کو شامل کرکے یوں ہے:

پہلا فتوی

یہ فتویٰ یہ حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے ایک فتوی کی تصدیق ہے فتوی وتصدیق فتوی ۱۳؍صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسرا فتوی

اس کا تاریخی نام "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" ہے یہ سو(۱۰۰)صفحات پر مشتمل ہے۔

تیسرا فتوی

یہ فتوی ۳؍صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ فتویٰ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا جمیل الرحمن خان بریلوی قدس سرہ کے استفتا کے جواب میں ہے جو کہ ۱۴؍صفحات پر مشتمل ہے اور یہ فتویٰ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا، صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی اور برادر اعلیٰ حضرت علامہ محمد رضا خاں قادری رحمہم اللہ کی تصدیقات سے مزین ہے۔ یہ فتوی جمعہ کی اذان ثانی کے خارج مسجد ہونے کے متعلق ہے اس کو ثابت کرنے کے لیے اس زمانے کے مدینہ منورہ کے مشہور عالم دین "حضرت علامہ مفتی شیخ احمد الجزائری الحسینی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ" اور "حضرت علامہ مفتی شیخ محمد توفیق ایوبی حنفی" مدرس حرم نبوی

شریف کے دو فتووں کو بھی شامل کیا ہے جس میں حنفی و مالکی دونوں مفتیوں نے جمعہ کی ''اذان ثانی'' کو داخل مسجد دلائل کے ساتھ مکروہ فرمایا ہے۔

چوتھا فتوی

یہ فتوی صرف ایک صفحہ پر مشتمل ہے۔

پانچواں فتویٰ

یہ فتوی ۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔

چھٹا فتویٰ

یہ فتوی ۳رصفحات پر مشتمل ہے۔

ساتواں فتویٰ

یہ فتوی ۶رصفحات پر مشتمل ہے۔

آٹھواں فتویٰ

یہ فتوی ایک ۶ رورقی رسالہ ضروری سوال محققانہ رد ہے، جس میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ قنوت نوازل کے لیے غلبۂ کفار شرط ہے۔ پہلے اسی سلسلہ میں اسی مسئلہ کے بارے میں حضرت علامہ مفتی نواب مرزا بریلوی قدس سرہ کے فتوی کو شامل کیا گیا ہے اس کے بعد آپ کا تفصیلی جواب ہے۔ اخیر میں مشاہیر علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ یہ تمام تفصیلات ۱۵۶رصفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

نواں فتویٰ

یہ فتوی ایک صفحہ سے کچھ زیادہ ہے۔

دسواں فتویٰ

یہ فتوی ۱۷رصفحات پر مشتمل ہے۔

گیارہواں فتوی

یہ فتوی ۶رصفحات پر مشتمل ہے۔

بارہواں فتوی

یہ فتوی ۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔

تیرہواں فتوی

یہ فتوی ترجمہ کے ساتھ ۸ رصفحات پر مشتمل ہے۔

یہ صرف ۱۳ رفتای کی تفصیل ہے۔ فتاویٰ کی اس تفصیل سے اس بات کا اندازہ کرنا کوئی مشکل نہیں کہ اگر آپ کے تمام فتاویٰ محفوظ ہوتے تو فقہ حنفی کی کتب میں ایک ضخیم اضافہ ہوتا لیکن افسوس! وہ مکمل ذخیرہ محفوظ نہ ہوا، اور نہ ہی بعد کے لوگوں نے آپ کے فتاوی کی جمع و ترتیب کا خاص انتظام واہتمام کیا۔ الا ماشاءاللہ

اب بھی کچھ لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ فلاں، فلاں کے پاس حضور حجۃ الاسلام کی تحریرات ہیں لیکن وہ نہیں نکالتے اگر ایسی صورت حال ہے تو بلا وجہ ایسا کرنے والے یقینا مجرم ہیں آج گلشن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے تمام پھول حامدی چمن سے ہیں انہیں سے ان کا نسبی سلسلہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے جڑتا ہے۔ عموماً تمام محبین اعلیٰ حضرت خصوصا تمام افراد خانوادۂ رضویہ پر یہ دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ کی تحریرات کے حصول واشاعت کے لیے حتی الامکان کوشش کریں۔

□□□

حضور مفتی اعظم ہند کے مجموعہ فتاویٰ

''فتاویٰ مصطفویہ'' کا ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر سراج احمد قادری

''۔۔۔۔۔۔حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اور حضور مفتی اعظم ہند کی فتاویٰ نویسی کا اگر ایک ہمہ ہنگیانہ جائزہ لیا جائے تو بہت ساری باتیں قدرِ مشترک کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہیں۔حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد امام الاتقیا مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ نویسی سیکھی۔اور امام الاتقیا نے اپنی زندگی ہی میں امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو فتویٰ نویسی کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔حضور مفتی اعظم ہند نے بالاستیعاب امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ نویسی کا کام تو نہیں سیکھا مگر حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے بارگاہ رب العزت میں جو مذکورہ دعا کی تھی اس کی اجابت نے حضور مفتی اعظم ہند کے اندر وہ شعور وآگہی پیدا کردی تھی جس کی بنا پر انہوں نے۔۔۔۔''

حضور مفتی اعظم ہند کی فتویٰ نویسی

حضور مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے لے کر وصال تک روحانیت ان کے سر پہ سایہ فگن رہی۔حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی تھی کہ:''اے رب کریم! مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے۔''(۱۲)

مجدد وقت، عاشق رسول، واصف شاہ ہدیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا بارگاہ قدیر میں مستجاب ہوئی۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم ہند قبلہ کو ۹۲ رسال کی عمر دراز عطا فرمائی۔حضور مفتی اعظم ہند ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء میں وصال فرمایا۔اس طرح کل ملا کر ۹۲ رسال تک دین متین کی خدمت فرمائی۔

میرے اپنے خیال میں دین کی خدمت فتاویٰ نویسی سے

بہتر انداز میں نہیں ہوسکتی اس لیے کے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''سب سے افضل وہ مومن عالم ہے کہ جب اس کی طرف رجوع کیا جائے تو وہ نفع دے اور جب اس سے بے نیازی برتی جائے تو وہ بھی بے نیاز ہوجائے۔'' (۱۳) اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ نویسی ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور ایک عالَم نے آپ کی طرف رجوع کرکے فائدہ اٹھایا۔ حضور مفتی اعظم ہند نے بھی اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر فتویٰ نویسی کو اپنا شعار زندگی بنایا اور پوری دنیائے سنیت کو فائدہ پہنچایا۔ اسی لیے دنیا آپ کو مفتی اعظم ہند کے لقب سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اربابِ اہل سنت میں جب بھی اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو زاویۂ ذہن آپ ہی کی طرف ہوتا ہے۔

حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اور حضور مفتی اعظم ہند کی فتاویٰ نویسی کا اگر ایک ہمہ ہنگیانہ جائزہ لیا جائے تو بہت ساری باتیں قدرِ مشترک کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد امام الاتقیا مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ نویسی سیکھی۔ اور امام الاتقیا نے اپنی زندگی ہی میں امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو فتویٰ نویسی کی اجازت مرحمت فرمادی تھی ۔حضور مفتی اعظم ہند نے بالاستیعاب امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ نویسی کا کام تو نہیں سیکھا مگر حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے بارگاہ رب العزت میں جو مذکورہ دعا کی تھی اس کی اجابت نے حضور مفتی اعظم ہند کے اندر وہ شعور و آگہی پیدا کردی تھی جس کی بنا پر انہوں نے بھی اپنے والد ماجد کی طرح پہلا فتویٰ رضاعت کے موضوع پر قلم برداشتہ لکھ کر بریلی کے مرکزی دارالافتا کے دو کہنہ مشق مفتیان کرام (۱) ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور (۲) علامہ عبدالرشید عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو انگشت بدنداں کردیا۔

حضور مفتی اعظم ہند نے لگ بھگ پون صدی تک فتویٰ نویسی کا کام انجام دیا۔ اگر اس تناظر میں ''فتاویٰ مصطفویہ'' کو دیکھا جائے تو اس کی ضخامت اور اس میں مندرج فتاویٰ کی تعداد بہت کم لگتی ہے۔ جب کہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا فتویٰ ہی دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا: تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں، اب فتویٰ لکھا کرو، اپنا رجسٹر بنالو اس میں نقل بھی کیا کرو۔ (۱۴)

حضور مفتی اعظم ہند کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ'' کی ترتیب وتہذیب کا کام اولاً الحاج قربان علی صاحب حامدی اور مولانا ڈاکٹر فیضان علی صاحب بیسل پوری نے انجام دیا۔ انہوں نے اس کے ماخذ اور اس کی ترتیب وتدوین کا کون سا طریقۂ کار اختیار کیا اس کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا۔ چنانچہ علامہ محمد حنیف خاں رضوی (صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف) تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بھی عالی مرتبت الحاج قربان علی صاحب کی محنت و لگن اور تلاش وجستجو کا نتیجہ وثمرہ ہے کہ آپ نے جو کچھ جواہر پارے ڈھونڈ نکالے اور ان کو شائع کرکے ہم سب پر احسان عظیم فرمایا۔ ورنہ اس ذخیرہ سے شاید امت مسلمہ کو کچھ بھی

ہاتھ نہ آتا۔"(۱۵)

جب کہ الحاج قربان علی اور مولانا ڈاکٹر فیضان علی بیسل پوری صاحبان کو اولاً فتاویٰ مصطفویہ کی ترتیب وتدوین کے لیے اس رجسٹر کی تلاش وجستجو کرنا چاہیے تھی جس کے بارے میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فرمایا تھا:"اپنا رجسٹر بنالو اس میں نقل بھی کیا کرو"میرے اپنے خیال میں"فتاویٰ مصطفویہ"کا یہ مجموعہ اس کے مرتبین نے ان منتشر فتاوؤں سے بنایا ہے جو مذکورہ رجسٹر کے علاوہ ہیں۔آج ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کے اس رجسٹر کو ڈھونڈ نکالا جائے جس میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے حضور مفتی اعظم ہند کو ان کے اپنے تحریر کردہ فتاویٰ کو نقل کرنے کا حکم دیا تھا۔یقیناً حضور مفتی اعظم ہند نے حضور سیدی اعلیٰ حضرت کے حکم پر کوئی نہ کوئی رجسٹر نقل فتاویٰ کے لیے ضرور بنایا ہوگا۔

فتاویٰ مصطفویہ کی ثانوی جز بندی کا کام فقیہ ملت حضرت علامہ الحاج مفتی جلال الدین احمد امجدی نور اللہ مرقدہ نے فرمائی ہے۔یقیناً اس مجموعۂ فتاویٰ کو درجہ اعتبار عطا کرنے کے لیے اس کی پیرا بندی،حواشی وحوالہ جات کا اہتمام ضروری تھا۔جسے رضا اکیڈمی ممبئی نے ۲۰۰۰ء میں نہایت ہی تزک واہتمام کے ساتھ شائع فرمایا۔اس کی ایک جلد برادر محترم حضرت علامہ انوار احمد امجدی مدظلہ العالی (مالک کتب خانہ امجدیہ دہلی)نے اس ناچیز کو عنایت فرمائی جس کے سبب یہ مقالہ معرض وجود میں آسکا۔اللہ تعالیٰ ان کی اس نوازش کو شرف قبولیت کا درجہ عطا فرمائے آمین۔فتاویٰ مصطفویہ کے اس ایڈیشن میں کچھ اور فتاوے بھی شامل اشاعت کیے گئے ہیں جس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس کتاب کا پورا تاریخی نام"المکرمۃ النبویہ فی الفتاویٰ المصطفویہ"۱۳۲۹ھ ہے۔یہ پہلے چھوٹے تین حصوں میں طبع ہوا تھا۔اس کا پہلا حصہ ایمان وعقائد کے بارے میں بغیر فہرست مضامین ایک رسالہ سمیت ۴۳/فتاویٰ کا مجموعہ تھا جو ۱۲۴/صفحات پر مشتمل تھا اور دوسرے حصہ میں بھی بغیر فہرست نماز اور احکام مسجد سے متعلق ۷۱/فتاویٰ تھے۔جو ۱۱۲/صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔اور اس کے تیسرے حصہ کا آغاز بھی طہارت ونماز کے بقیہ مسائل سے ہوا تھا اور پھر ابواب فقہ کی ترتیب پر جنائز،زکوۃ،روزہ،حج،نکاح وطلاق،بیوع اور وقف اجارہ وغصب اور خطر واباحت وغیرہ کے مسائل پر مشتمل فہرست مضامین کے ساتھ کل ۲۵۳/فتاویٰ کا گنجینہ تھا۔یعنی پہلے تین حصوں میں کل ۳۶۷/فتاویٰ تھے۔اور اب یہ مجموعہ فتاویٰ مکمل فہرست کے ساتھ تین رسائل اور ۳۹۰/مسائل پر مشتمل ہے۔"

(۱۶)نیز آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

"کتاب مکمل ہونے کے بعد جو فتاوے موصول ہوئے وہ ضمیمہ کے تحت اس مجموعہ میں شامل کیے گئے ہیں اور مبادیات کے صفحات اصل کتاب سے الگ کردیئے گئے۔تاکہ ضرورت پر ان میں بہ آسانی حذف واضافہ کیا جاسکے۔"(۱۷)

"فتاویٰ مصطفویہ"کے فتاویٰ کا اعداد وشمار جو اس ناچیز

نے ابواب وار کیا ہے اس کے اعتبار سے ان کی کل تعداد ۳۵۹/ ہے۔ جس میں ان فتاوؤں اور رسائل کا شمار نہیں کیا جس کو فقیہ ملت نے ضمیمہ کے تحت ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفصیل:

ا۔ کتاب الایمان۔عقیدے کا بیان	۴۵
۲۔ کتاب الطہارۃ۔طہارت کا بیان	۱۰
۳۔ کتاب الصلاۃ۔نماز کا بیان	۵۹
۴۔ احکام مسجد	۲۱
۵۔ باب الجنائز۔جنازہ وغیرہ کا بیان	۰۶
۶۔ کتاب الزکوٰۃ۔زکوٰۃ کا بیان	۰۴
۷۔ کتاب الصوم۔روزہ کا بیان	۰۴
۸۔ کتاب الحج۔حج کا بیان	۰۱
۹۔ کتاب النکاح۔نکاح کا بیان	۳۲
۱۰۔ کتاب الرضاع۔رضاعت کا بیان	۰۲
۱۱۔ کتاب الطلاق۔طلاق کا بیان	۲۶
۱۲۔ کتاب اللعان۔لعان کا بیان	۰۱
۱۳۔ کتاب الوقف۔وقف کا بیان	۱۰
۱۴۔ کتاب البیوع۔خرید وفروخت کا بیان	۰۲
۱۵۔ باب الربٰوا۔سود کا بیان	۱۴
۱۶۔ باب القرض۔قرض کا بیان	۰۱
۱۷۔ کتاب الھبہ۔ہبہ کا بیان	۰۱
۱۸۔ کتاب الاجارہ۔اجارہ کا بیان	۰۲
۱۹۔ کتاب الغصب۔غصب کا بیان	۰۱
۲۰۔ کتاب الذبائح۔ذبح کا بیان	۰۷
۲۱۔ کتاب الحظر والاباحۃ۔خطر واباحت اور متفرق مسائل	۱۰۱
۲۲۔ کتاب الوصایا۔وصیت کا بیان	۰۲
۲۳۔ کتاب المیراث۔وراثت کا بیان	۰۷
	۳۵۹

فتاویٰ مصطفویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر فتاویٰ میں تاریخ کے درج کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے اور اگر کیا بھی گیا ہے تو اس میں تساہلی برتی گئی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ مصطفویہ شائع کردہ رضا اکیڈمی ممبئی کے ایڈیشن کے ص ۱۰۸/ پر ایک استفتا میں درج تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دس سال کی عمر میں اس فتویٰ کو تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو تفصیل۔

استفتا میں درج تاریخ ۱۳۳۸ء

تاریخ ولادت ۱۳۲۸ھ

جب کہ آپ کی سوانح حیات پر لکھی جانے والی کتابیں، مقالے اور مضامین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلا فتویٰ ۱۸/ سال کی عمر میں تحریر فرمایا۔

فتاویٰ نویسی میں آپ کی دیدہ وری:

دار الافتا میں عمومی طور پر جو سوالات آتے ہیں ان کے جواب تو آسان ہوا کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی ایسے مشکل سوالات بھی آجاتے ہیں۔ جس میں قوت فکر کام نہیں کرتی اور بار بار غور وخوض کرنے کے بعد بھی دماغ کام نہیں کرتا کہ اس کا کیا جواب تحریر کیا جائے؟ ایسی صورت میں اگر قوت اجتہادی

اور نفسیات کا استعمال نہیں کیا جائے گا تو کوئی جواب نہیں بن پائے گا۔ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی اس طرح کے سوالات پیش ہوئے اور آپ نے اس پر ایک نظر ڈالتے ہی نفسیات کے ذریعہ بھانپ لیا کہ اس کا کیا جواب ہونا چاہیے اور فوری جواب تحریر فرما کر لوگوں کو انگشت بدنداں کر دیا۔ چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''جس نے یہ نکاح کیا اس پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہو جائے۔ وہ عورت مرد اور اس نکاح کے ساعی و شرکا جو اس سے واقف تھے کہ یہ نکاح نانا کی زوجہ سے اس کے نواسہ کا ہو رہا ہے گنہگار ہوئے وہ مفتی بھی۔ خدا اسے اور سب کو توبہ و رجوع کی توفیق دے اور معاف فرمائے۔''

یہ فتویٰ غلط دیا مگر کسی مسلمان اور پڑھے لکھے انسان کی طرف یہ گمان کہ اس نے جان بوجھ کر ایسا غلط فتویٰ دیا بدگمانی ہے اور بدگمانی خود ممنوع ہے۔ اگر اس نے بے سمجھی سے ایسا عجلت میں کہا یا سمجھ کر دانستہ غلط کہا تو بہرحال اس مفتی سے گناہ ہوا دوسری صورت ہو تو آفت سخت ہے۔ میرے پاس دوسری جگہ سے بھی یہ سوال آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مفتی نے دھوکا کھایا۔ فتاویٰ رضویہ کی اس عبارت سے کہ باپ کی ساس حلال ہے اگر اپنی نانی نہ ہو۔ مفتی نے یہ عبارت دیکھ کر اس کا مطلب یہ سمجھا کہ سگی نانی حرام ہے اور سوتیلی حرام نہیں۔ حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ باپ کی ساس جو اس شخص کی نانی ہو حرام ہے۔ سگی ہو یا سوتیلی۔ اور جو اس کی نانی نہیں وہ حلال ہے باپ کی ساس ہونے سے نانی حرام نہیں۔ سگی نانی ماں کی ماں اور زوجہ نانا ہونے سے حرام ہے اور سوتیلی نانی نانا کی منکوحہ ہے اس لیے حرام ہے۔ باپ کی وہ ساس جو اس کی نانی نہیں نہ سگی نہ سوتیلی وہ حرام نہیں۔ تو یہ کہنا کہ باوجود علم کے محض دنیاوی مفاد کے خیال سے مفتی نے جواز کا فتویٰ دیا خلاف واقع بات۔ اور بدگمانی معلوم ہوتا ہے۔ والغیب عند اللہ وھو اعلم بحقیقۃ الحال واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸)

فتاویٰ مصطفویہ میں جا بجا حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی دیدہ وری، فقہی بصیرت اور قوت اجتہادی کے نمونے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ پورا فتاویٰ مصطفویہ آپ کی دیدہ وری، فقہی بصیرت اور شانِ اجتہاد کا عظیم شاہکار ہے تو غلط نہ ہوگا۔

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ بصیرت اور نفسیات تصور عطا کیا تھا کہ وہ ایک نظر ڈالتے ہی استفتا کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ جیسا کہ ابھی اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ فتاویٰ رضویہ کی عبارت کی ایسی واضح توضیح فرمائی کہ کسی طرح کا کوئی شک وشبہہ ہی نہ رہا۔ چنانچہ اسی طرح کا ایک استفتا مدرسۂ قادریہ بدایوں شریف کے مفتیانِ کرام کی خدمت میں پیش ہوا۔ وہاں کے مفتیان کرام نے اس کا منفی شکل میں جواب تحریر فرمایا مگر جب وہی استفتا حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ نے جو اس کا جواب تحریر فرمایا اس کو پڑھ کر روح وجد کرنے لگتی ہے اور بے ساختہ زبان پر آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقیہ النفس بنا

کر اس دنیا میں بھیجا تھا۔ ملاحظہ ہو پوری تفصیل۔

مسئلہ:

از قصبہ آنولہ قلعہ ضلع بریلی مرسلہ جناب سید لائق علی صاحب ۱۴ / جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ

زید نے اپنی زوجہ منکوحہ سے یہ کہہ کر کے تو میرے نکاح سے باہر ہے میری بیوی نہیں رہی اور نہ میرے کام کی ہے اور لفظ لعن تک کہے اور تعلقاتِ زن وشوہر منقطع کر کے اس کے والدین کے گھر بھیج دیا۔ اور زید نے خود ایک دوسری عورت بازاری سے تعلق کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ زید کی زوجہ جب سے اب تک جس کو زمانہ دوسال گزرتا ہے اپنے والدین کے پاس ہے۔ ایسی صورت میں زید کی زوجہ زید کے نکاح میں رہی یا نہیں؟

الجواب:

زید کی زوجہ کو طلاق ہوگئی اور تین حیض گزرنے سے غیر حاملہ کی عدت گزر جاتی ہے۔ دوبارہ نکاح بغیر حلالہ ہوسکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ عزیز احمد قادری دار العلوم قادریہ بدایوں من اجاب فقط اصاب عبید اللہ غفرلہ۔ قد اصاب من اجاب ابوالحمید محمد رضوان الرحمن الحنفی المدرس بالمدرسۃ القادریہ۔ الجواب الصحیح محمد یٰسین عفی عنہ۔ الجواب صواب، احمد الدین عفی عنہ۔

الجواب:

سوال اگر چہ بہت ہی گول (مول) تھا مگر سوال دیکھتے ہی یہ خیال ہوا کہ شوہر نے یہ الفاظ بطور انشا نہیں کہے ہوں گے بلکہ اخباراً سائل سے واقعہ کی تفصیل پوچھی تو یہی معلوم ہوا کہ اس نے یہ الفاظ اس لیے کہے تھے کہ عورت اس کی بے اجازت چلی گئی تھی۔ جاہلوں میں یہ غلط مشہور ہے کہ عورت اگر بے اجازت شوہر کے گھر سے قدم نکالے تو وہ نکاح سے باہر ہوجاتی ہے۔ شوہر نے اس باطل بات پر وہ کہا نہ یہ کہ اسے طلاق دینا مقصود تھا اور اس وقت طلاق دینے کے لیے یہ لفظ کہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں اصلاً طلاق نہ ہوئی۔ اور اگر واقعہ یہ نہ بھی ہوتا بلکہ بطور خود اس نے یہ الفاظ کہے ہوتے۔ جب بھی علی الاطلاق طلاق کا حکم نہ ہوتا کہ یہ کنایات ہیں اور کنایہ محتاجِ نیت۔ وہ اگر بقسم کہہ دیتا کہ میں نے اس سے طلاق کا ارادہ نہ کیا طلاق کا حکم نہ ہوتا اگر اقرارِ نیت کرتا تو طلاق کا حکم دیا جاتا۔ فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیز ہندیہ میں ہے لوقال نکاح بینی و بینک او قال لم یبق بینی و بینک نکاح یقع الطلاق اذا نوی بلکہ ''فتاویٰ خانیہ'' میں فرمایا لوقال فسخت نکاحک یقع الطلاق اذا نوی۔ تو میری بیوی نہ رہی تو ظاہر ہے کہ اخبار ہی ہے۔ نہ میرے کام کی ہے۔ کنایہ ہے۔ محتاجِ نیت تو علی الاطلاق حکم طلاق یقیناً محض باطل۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹)

اسی طرح ایک استفتا کے سوال نمبر ۴ / کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ (۴) عضا اللہ عن المفتی۔ مفتی نے فتویٰ دینے میں عجلت کی اور غور وتامل سے کام نہ لیا۔ خدا و رسول کا واسطہ ماننے سے انکار دیکھ کر وہ حکم لگا دیا۔ سائل نے مفتی کو دھوکا بھی دیا مگر مفتی اگر تامل کرتا تو یہ حکم نہ دیتا۔ اللہ اسے معاف فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲۰)

فتاویٰ مصطفویہ میں اس طرح کی تمثیلات وتوضیحات جا بجا ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس مجموعہ فتاویٰ میں صرف روزمرہ کے مسائل سے ہی بحث نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اس میں مسائل جدیدہ بھی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں ۔جس سے آپ کی فقہی بصرت، عوام الناس کے احوال سے واقفیت، اور آپ کی قوتِ اجتہادی، شانِ بصیرت اور ماہر نفسیات ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

ماخذ ومراجع

(۱) لغاتِ کشوری، مولوی سید تصدق حسین رضوی، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، ص ۳۴۲

(۲) اذانِ جمعہ، امام احمد رضا قادری، حق اکیڈمی، مبارکپور اعظم گڑھ، ص ۱۱

(۳) معارف رئیس الاتقیا، انجمن عاشقانِ بلال، ملوک پور بازارداران، بریلی شریف، ص ۲۴

(۴) فتاویٰ حامدیہ، حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں، رضوی کتاب گھر دہلی، ص ۹۴

(۵) فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، امام احمد رضا قادری، رضا دار الاشاعت، بریلی، ص ۱۶۸۔۱۶۹

(۶) فتاویٰ رضویہ جلد دوم، امام احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۳۰

(۷) حدیث نبوی اور علم النفس، محمد عثمان تجانی، الفیصل غزنی اسٹریٹ اردو بازار، لاہور، ص ۵۸۔۵۹

(۸) فتاویٰ حامدیہ، حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں، رضوی کتاب گھر دہلی، ص ۹۲

(۹) معارف رئیس الاتقیا، انجمن عاشقانِ بلال، ملوک پور بازاردارن بریلی شریف، ص ۴۱

(۱۰) فتاویٰ برکاتیہ، مفتی جلال الدین احمد امجدی، کتب خانہ امجدیہ بستی، ص ۱۳

(۱۱) فتاویٰ رضوی جلد دوازدہم، امام احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۳۰۔۱۳۱

(۱۲) مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سراج احمد بستوی، فرید بک اسٹال لاہور، ص ۴۴

(۱۳) اصلاح معاشرہ میں امام احمد رضا کی سعی، ڈاکٹر سراج احمد قادری، کتب خانہ مینائیہ لکھنؤ، ص ۳

(۱۴) مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی، فرید بک اسٹال، لاہور، ص ۴۵

(۱۵) فتاویٰ مصطفویہ، علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۳۱

(۱۶) ایضاً، ص ۱۷۔۱۸

(۱۷) ایضاً، ص ۲۶۔۲۷

(۱۸) ایضاً، ص ۲۳۸۔۲۳۹

(۱۹) ایضاً، ص ۳۶۳

(۲۰) ایضاً، ص ۱۰۲

□□□

استاذ زمن کی شعری خصوصیات

مولانا خالد علی رضوی شمسی صاحب (ارول بہار)

”۔۔۔۔ کہنے کو حضور جان رحمت کی عطا زیبائش کرم کے بیان کے باب میں ایک سادہ سا شعر ہے۔مگر لفظوں کی تہہ میں فکر رسا کی خوشبو مشام ایماں کو معطر کر رہی ہے مثلاً ایوان نبوت نگاہوں کے سامنے ہے قصر رفیع کے گرد اگرد سائلوں، فقیروں کی بھیڑ ہے سائل نے باب کرم سے بھیک پایا تو دیکھا قصر نبوت کے دائیں بھی نعمتیں برس رہی ہیں پھر دیکھا کہ عمارت کی پشت پر بھی نعمتوں کی برسات ہو رہی ہے، جب وہاں اپنے کشکول گدائی بھر رہا تھا معاًاس کی نظر پڑی کہ باب کرم کے بائیں بھی نعمتیں تقسیم ہو رہی ہیں ایسے ہی بھکاری دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، آگے سے پیچھے، پیچھے سے آگے دوڑ دوڑ کر خیرات لے رہے ہیں۔۔۔۔“

آپ کی شاعری عشق و وفا اور اخلاص وللّٰہیت کی خوشبو سے معطر شاعری ہے سادہ اور سہل زبان میں عشق رسالت مآب کی بجلیاں منظوم کلام میں کیسے بھری جاتی ہیں اس کا مشاہدہ آپ کے کلام کے مطالعے سے ہر با ذوق کو ہو جاتا ہے۔

رنگ زیبائش رنگیں بدنا　　طرز آرائش گل پیرہناں
شفق آرائی لعل لب میگوں　　غالیہ سائی گیسوئے بتاں
میکدہ کاریٔ چشم نظر　　ارغواں زاریٔ رخسار و دہاں

کے علاوہ زبان و بیان کا حسن شعری بندشوں کا کہکشانی جمال اور پر شوکت الفاظ و تراکیب کا غلغلہ منظوم کلام کے حسن میں اضافہ ضرور کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ دلربا اور دلآویز فکر نہ ہو تو مذکورہ صفات جسم بے روح اور پھول بے خوشبو کی طرح ہوتے ہیں۔

رنگوں کے اہتمام میں صورت بگڑ گئی
لفظوں کے دہن میں ہاتھ سے معنیٰ نکل گئے

حسن افکار میں شاعر کی اخلاص وللّٰہیت کا روشن کردار ہوتا ہے جس سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کر سکتا، حسن افکار کی

دولت سے دامن شعر آباد ہوتو علوفکر کے گلہائے رنگارنگ ہر باذوق کو دعوت نظارہ دیتے ہیں اور اخلاص کی شراب طہور میں شرابور اشعار قاری کو مست کردیتے ہیں۔اختر شیرانی نے کہا ہے:

وہ اور ہی چیز ہے جو دل میں اتر جاتی ہے
نطق بے تاب ولب شعلہ چکاں کچھ بھی نہیں

علوفکر کی دلاویزی میں شباہت وملاحت کا امتزاج جبل اورفکر کی گہرائی وگیرائی کا کمال ملاحظہ فرمائیں: شاعر کی نگاہ میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر نبوت ہے شاعر کو انما انا قاسم اللہ یعطی کا ارشاد گرامی یاد ہے حضور اعلیٰ حضرت کا فرمان نگاہوں میں ہے؛

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم دیتاوہ ہے دلاتے یہ ہیں

قصر نبوت کے گرداگرد بے نواؤں، بے کسوں، سائلوں، محتاجوں اورآواز لگانے والوں کی بھیڑ ملاحظے میں ہے اس کی ترجمانی حضور استاذ زمن یوں فرماتے ہیں:

ملتی ہے بھیک دوڑتے پھرتے ہیں بے نوا
در کی طرف کبھی کبھی دیوار کی طرف

کہنے کو حضور جان رحمت کی عطا زیبائش کرم کے بیان کے باب میں ایک سادہ سا شعر ہے۔مگر لفظوں کی تہہ میں فکر رسا کی خوشبو مشام ایماں کو معطر کررہی ہے مثلاً ایوان نبوت نگاہوں کے سامنے ہے قصر رفیع کے گرداگرد سائلوں،فقیروں کی بھیڑ ہے سائل نے باب کرم سے بھیک پایا تو دیکھا قصر نبوت کے دائیں بھی نعمتیں برس رہی ہیں پھر دیکھا کہ عمارت کی پشت پر بھی نعمتوں کی برسات ہورہی ہے، جب وہاں اپنے کشکول گدائی بھر رہا تھا معاً اس کی نظر پڑی کہ باب کرم کے بائیں بھی نعمتیں تقسیم ہورہی ہیں ایسے ہی بھکاری دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، آگے سے پیچھے، پیچھے سے آگے دوڑ دوڑ کر خیرات لے رہے ہیں اور زبان حال سے کہتے جارہے ہیں:

ع سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے
ع نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

ازدحام کا یہ گھیرا اور بے نواؤں،سائلوں کا یہ پھیرا نگاہوں میں رکھیں تو درمحبوب کی بھیک الگ اور بے خودی میں قصرمحبوب کے طواف کی لذت الگ، اس مختصر شرح وتفصیل کے بعد حضرت استاذ زمن کا مذکورہ شعر یاد کریں تو سرکار کے دربار گہر بار کو پرنور منظر نگاہوں میں گھوم جاتا ہے۔

ملتی ہے بھیک دوڑتے پھرتے ہیں بے نوا
در کی طرف کبھی کبھی دیوار کی طرف

اگر برجستگی میں غالب کے خطوط نثری شہ پارے ہیں تو نظم میں حضرت استاذ زمن کا بے تصنع، بے بناوٹ، بے تکلف، سادہ اور سہل زبان اردو ادب کا شاہکار ہے۔اہل علم ملاحظہ فرمائیں:

مبارک رہے عندلیبوں تمہیں گل
ہمیں گل سے بہتر ہے خار مدینہ
رہیں ان کے جلوے بسیں ان کے جلوے
مرا دل بنے یادگار مدینہ

گر وقت اجل سرتری چوکھٹ پہ جھکا ہو
جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو
ڈھونڈا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی

وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو
فردوس کے باغوں سے ادھر مل نہیں سکتا
جو کوئی مدینے کے بیاباں میں گما ہو
منگتا تو ہے منگتا کوئی شاہوں میں دکھا دو
جس کو مرے سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

جلوۂ موئے محاسن یوں رخ انور کے گرد
آب نوسی رحل پہ رکھا ہے قرآن جمال
اتنی مدت تک ہو دید مصحف عارض نصیب
حفظ کرلوں ناظرہ پڑھ پڑھ کے قرآن جمال

کسے ہے دید جمال خدا پسند کی تاب
وہ پورے جلوے کہاں آشکار کرتے ہیں
اشارہ کردو تو باد خلاف کے جھونکے
ابھی ہمارے سفینے کو پار کرتے ہیں

نثر و نظم میں محاورے کا برمحل استعمال منظوم و منثور کلام کی لذت کو دو آتشہ کر دیتا ہے اس عنوان سے جیسا ہم استاذ زمن کے کلام کا جائزہ لیتے ہیں تو آپکے کلام میں محاورات کا برمحل استعمال آپکی مہارت فن اور قدرت کلام کا پتہ دیتا ہے۔ ''ہشیار بننا'' اردو زبان کا ایک محاورہ ہے کوئی بے قیمت چیز کے بدلے بیش قیمت چیز حاصل کرنے کا خواہش مند ہو تو بیش قیمت چیز کا مالک کہتا ہے کہ میں اتنا نادان نہیں ہوں کہ اپنی قیمتی شئ کے بدلے بے قیمت شئ قبول کرلوں اس مثال کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ایک شعر میں مذکورہ محاورے کے برمحل استعمال کا قارئین لطف اٹھائیں اور حضرت استاذ زمن کی بارگاہ میں نذرانۂ تحسین پیش کریں:

گل خلد لے کے زاہد تجھے خار طیبہ دے دوں
میرے پھول مجھ کو دیجئے بڑے ہشیار آئے

خار مدینہ کو پھول سے تعبیر کرنے میں صنف نفاذ بھی ہے جو اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔ ''حساب و کتاب'' یا ''حساب وشمار'' اردو زبان کا کثیر الاستعمال محاورہ ہے حضور اعلیٰ حضرت نے بھی فرمایا:

ع تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

بارگاہ اقدس میں اپنے جرم کے اقرار کے ساتھ اور طلب عفو کے لئے حساب وشمار کے محاورے کو حضرت استاذ زمن نے بہت بلیغ انداز میں ذکر فرمایا ہے ملاحظہ کریں:

تیری رحمتوں سے کم ہیں میرے جرم اس سے زائد
نہ مجھے حساب آئے نہ مجھے شمار آئے

اب تو نئی سواریوں کا دور ہے اور سفر کے لئے دن رات صبح وشام کی کچھ خصوصیت نہیں رہ گئی آدمی جب چاہے سفر کرتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سواریاں مسافر کی پابند نہیں بلکہ مسافر سواریوں کا پابند ہے، بس اتنے بجے ہے، ٹرین اتنے بجے ہے، پلین اتنے بجے ہے، مگر پیدل سفر کرنے یا جاندار سواریوں کا جب دور تھا بڑے بوڑھے کہا کرتے تھے کہ سپیدۂ سحر نمود کے وقت اجالے اجالے سفر کرنا راحت رساں ہوتا ہے۔ حضرت استاذ زمن نے اپنی مہارت فن سے جسم کے سفر کو روح کے سفر میں تبدیل کر کے اس محاورے میں جان ڈال دیا اور اجالے اجالے کی تکرار سے ایک دل نشیں معنیٰ پیدا

کر کے مفہوم کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا وہ روح سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمارہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

سفر کر خیال رخ شہ میں اے جاں
مسافر نکل جا اجالے اجالے

''سمجھانا بجھانا'' اردو زبان کا بہت مشہور اور زبان زد محاورہ ہے حضرت استاذ زمن نے ایک ہی شعر میں اس محاورے کو دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے، محاورے کے الٹ پھیر نے مفہوم کو بہت ہی دل آویز کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

دل کو میں سمجھا بجھا کر لے تو آیا تھا حسن
دل مجھے سمجھا بجھا کر کوئے جاناں لے چلا

وضاحت: مذکورہ شعر باقیات کلام حسن میں ہے کہ نہیں مجھے نہیں معلوم، میں نے جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس کے محقق استاذ حضور شمس العلما قاضی شمس الدین احمد رضوی جون پوری کے شاگرد محقق مفتی حضرت مولانا نایاب مرادآبادی مرحوم سے یہ شعر سنا تھا مقطع میں حسن تخلص مذکور ہے تاہم تاکیداً موصوف نے اسے حضرت حسن بریلوی کا شعر بتایا تھا۔ کچھ شعرا کا نامکمل کلام دیکھنے کو ملتا ہے جس میں کبھی مطلع نہیں ہوتا کبھی مقطع نہیں ہوتا کبھی مطلع مقطع دونوں نہیں ہوتے یا کبھی مطلع ہو کر رہ جاتا ہے شاعر کو اس سے آگے کہنے کا موقع نہیں ملا یا کبھی صرف مقطع ہو گیا اور اس سے آگے کچھ نہیں ہوا۔ شائقین کلیات اکبر وغیرہ دیکھیں تو مرے دعوے کی صداقت ثابت ہو جائے گی۔ کبھی تو شاعر کی باقیات میں مذکورہ ساری چیزوں کا ذکر ہوتا ہے اور کبھی نامکمل کلام یا صرف مطلع یا صرف مقطع کو متروک کر دیا جاتا ہے یا مطلع کے بعد کچھ حسن مطلع ہوتا ہے جس کا شعرا کے یہاں چلن ہے مگر دو مقطع کا چلن نادر ہے۔ ذوق نعت میں ایک نعت شریف اسی وزن پر ہوسکتا ہے مذکورہ شعر اسی نعت پاک کا دوسرا مقطع ہو اور ناقل نے دو مقطع معیوب سمجھ کر زیر بحث مقطع کو چھوڑ دیا ہو، بہر حال شعر کا اسلوب حضرت استاذ زمن کے شعری اسلوب سے پوری طرح مطابق ہے اور یہ حضرت استاذ زمن ہی کا شعر ہے۔

دل کو میں سمجھا بجھا کر لے تو آیا تھا حسن
دل مجھے سمجھا بجھا کر کوئے جاناں لے چلا

استغاثہ کا انوکھا انداز:

حضرت استاذ زمن نے ذوق نعت کی ردیف ''ثا'' میں حضور جان رحمت کے سرانور سے لے کر پائے اقدس تک میں الگ الگ عضو کریم سے استغاثہ کیا ہے جس عضو کا ذکر کیا ہے اس کی مناسبت عرض مدعا کیا ہے جس کا کچھ بیان آگے آتا ہے۔ ایسے ہی سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات اور ان سے منسوب چیزوں کا جب ذکر کیا ہے تو اسی مناسبت سے مضمون لائے ہیں، غزل تو غزل ہی ہے پوری اردو نعت گوئی کی تاریخ میں باضابطہ اور باترتیب یہ التزام نہیں ملتا اس استغاثہ کی خصوصیات یہ ہے کہ اعضاء کریمہ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب چیزوں کو ایک ساتھ نگاہ میں رکھیں تو عالم تصور میں بصد انداز یکتائی اور بغایت شان زیبائی حضور جان نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدایان جمال کی نگاہوں میں موجود ہوتے ہیں، اور وہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حضور عالم تصور میں نگاہوں کے سامنے

گلگشت فرما رہے ہیں۔ یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں، یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، وہ محواستراحت ہیں، وہ فقیروں کی جھولیاں بھر رہے ہیں، وہ سائلوں کو دعا دے رہے ہیں وہ محو تکلم ہیں، وہ تبسم ریز ہیں، وہ اسیروں کی بیڑیاں کاٹ رہے ہیں۔ فقیر شمسی نے کہا ہے کاش قبول ہو جائے۔ ملاحظہ ہو:

اس تکلم تبسم کی کیا بات ہے جس کے جلوے میں رحمت کی برسات ہے

جب تکلم کیا پھول برسا گئے جب تبسم کیا چاندنی بن گئی
شمسی بیمار تھا بستر مرگ پر کروٹیں لے رہا تھا وہ ہر سانس
پر ایسے عالم میں محبوب حق آ گئے تلخیٔ موت بھی شیرینی بن گئی

غرض کہ استغاثہ پڑھتے وقت عالم اسباب اور عالم قدس کے دائرے اس طرح مدغم ہو جاتے ہیں کہ قاری فرق نہیں کر پاتا کہ ہم عالم اجسام ہیں یا عالم ارواح میں۔ اس استغاثہ میں کل ٦٦ ر اشعار ہیں اہل ذوق کے لئے استغاثہ کے حوالے سے اس میں بہت لطیف اور روح پرور نکتہ ہے۔ ٦٦ ر اسم جلالت ''اللہ'' کا عدد ہے گویا حضور استاذ زمن عقیدۂ اہل سنت سمجھا رہے ہیں کہ مرادیں کسی سے مانگیں اور توسل کسی سے کریں، سب کو اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے، احباب کو اس نکتہ پر حیرت ہوئی کہ:

سر خدا کہ عارف و سالک بکس نہ گفت
در حیرتم کہ بادۂ فروش از کجا شنید

میں نے انہیں جواب دیا کہ یہ حضرت استاذ زمن کی دعا کی برکت ہے۔

گاہ باشد کہ کودک نادان
از غلط برہدف زند تیر

٦٦ ر کے عدد کے تحت آپ نے جو عقیدہ پیش فرمایا وہ قرآن سے مستنبط ہے۔ تخت بلقیس لانے میں حضرت آصف ابن برخیا سے جس کمال کا اظہار ہوا تھا اس کے ملاحظہ کے بعد حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کی نگاہ پاک سبب کی طرف نہیں بلکہ مسبب الاسباب کی طرف گئی اور فرمایا ھذا من فضل ربی ایسے ہی حاجت مندوں کو مرادیں کسی سے ملیں دست عطا دست کرم کسی کا ہو مگر سب کو ملتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے دربار سے، حضور اعلیٰ حضرت نے اسی عقیدے کا اظہار فرمایا:

یا خدا تجھ تک ہے سب کا منتہا
اولیاء کو حکم نصرت کیجئے

اس مقام پر حضرت استاذ زمن کی حیثیت کی تعیین میں حیران ہوں کہ آپ کو شاعر نعت کہوں یا عارف حق نگر کہوں، محض کوئی شاعر ہو تو حکمت آفریں شعر کہہ سکتا ہے مگر کوئی شاعر سر خدا بیان کرے تو وہ محض شاعر نہیں بلکہ عارف ہے، حضرت مولائے روم اور حضرت جامی بہت بڑے علامہ ہونے کے ساتھ شاعر بھی ہیں ان کے اشعار میں سر خدا اور سر باطن کا بیان بھی ہے اس لئے حضور اعلیٰ حضرت انہیں عارف رومی اور عارف جامی سے یاد کرتے ہیں۔ ہمیں بھی زیبا ہے کہ استاذ زمن کو فاضل بریلوی کے وزن پر عارف بریلوی کے نام سے یاد کریں۔

اعصاء کریم اور تبرکات سے استمداد کے باب میں زبان و بیان کی شگفتگی بارگاہ رسالت میں آپ کی نیازمندی، جزبۂ احترام، جذبۂ دروں کی کشاکش کے ساتھ محبوب کے نام پر

جاں فدا کرنے بلکہ دو جہاں فدا کرنے کے ساتھ ''کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں'' کا جذبۂ بے کراں ملاحظہ کریں اور اس حقیقت کا اعتراف کریں کہ:

آج گلشن میں کچھ اس طرح ہوا ذکر بہار
ہاتھ رک رک گئے جا جا کے گریباں کے قریب

استغاثہ کے چند شعر ملاحظہ کریں:

المدد اب زلف سرور المدد
ہوں بلاؤں بر بناں الغیاث

اے سر پرنور اے سر خدا
ہو سرا سیمہ پریشاں الغیاث

غمزدوں کی شام ہے تاریک رات
اے جبیں اے ماہِ تاباں الغیاث

اَبروے شہ کاٹ دے زنجیرِ غم
تیرے صدقے تیرے قرباں الغیاث

چشمِ رحمت آ گیا آنکھوں میں دم
دیکھ حالِ خستہ حالاں الغیاث

اے کرم کی کان اے گوشِ حضور
سُن لے فریادِ غریباں الغیاث

بینی پُرنور حالِ ما بہ بیں
ناک میں دم ہے مری جاں الغیاث

اے زبانِ پاک کچھ کہہ دے کہ ہو
رد بلاے بے زباناں الغیاث

ریشِ اطہر سنبلِ گلزارِ خلد
ریشِ غم سے ہوں پریشاں الغیاث

بازوے شہ دست گیری کر مری
اے توانِ ناتواناں الغیاث

مُہرِ پشتِ پاک میں تجھ پر فدا
دے دے آزادی کا فرماں الغیاث

اے سراپا اے سراپا لطفِ حق
ہوں سراپا جرم و عصیاں الغیاث

تبرکات سے استمداد:

اے عمامہ دَورِ گردش دُور کر
گِرد پھر پھر کر ہوں قرباں الغیاث

نیچے نیچے دامنوں والی عبا
خوار ہے خاکِ غریباں الغیاث

کھول مشکل کی گرہ بندِ قبا
بندِ غم میں ہوں پریشاں الغیاث

چاک اے چاکِ جگر کے بخیہ کر
دل ہے غم سے چاک جاناں الغیاث

عیب کھلتے ہیں گدا کے روزِ حشر
دامنِ سلطانِ خوباں الغیاث

نعلِ شہ عزت ہے میری تیرے ہاتھ
اے وقارِ تاجِ شاہاں الغیاث

□□□

رسائل حسن پر ایک نظر

مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی ککرالوی

"۔۔۔۔۔۔'رسائل حسن' استاذ زمن حضرت علامہ حسن علیہ الرحمہ کے قیمتی علمی وتحقیقی وتنقیدی مضامین سے مزین ادبی وفنی محاسن سے مملو رسائل کا مجموعہ ہے۔ کتاب کا سرورق خوبصورت ودل آویز ہے۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ پاکستان اور ہندوستان میں اس کتاب کی بیک وقت اشاعت عرس رضوی کے موقع پر ہو رہی ہے۔ پاکستان میں اکبر بک سیلر (اردو بازار لاہور) اور انڈیا میں رضا اکیڈمی (ممبئ) اس کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔۔۔۔۔"

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

تاج بن کر تیرے سر پر جو سدا چمکا کیے
تو نے اے دنیا وہ سورج چاند تارے کیا کیے

امام شعر وسخن، شہنشاہِ فکر وفن، ذوالمجد والمنن، استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان حسنؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی وقار کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ استاذ زمن کی عظمتوں رفعتوں میں بھلا کیا شبہہ ہو سکتا ہے۔ انجمن شعر وسخن ہو یا میدان علم وفن ہر جگہ آپ کی ذات بابرکات نمایاں حیثیت کی حامل نظر آتی ہے۔ زیر نظر مجموعۂ رسائل آپ ہی کے قلم کا شاہکار ہیں جس کی تعریف میں کچھ کہنا چھوٹا منھ بڑی بات کے مترادف ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے: قدر المؤلَّف بقدر المؤلِّف۔ یعنی کتاب کی قدر وقیمت مصنف کتاب کی عظمتوں پر منحصر ہے۔ اگر مصنف کتاب عظیم وباوقار ہو تو یقینا کتاب بھی لائق صد افتخار ہوا کرتی ہے۔

حضرت موصوف نے بہت سارا علمی سرمایا قوم

کوعطا فرمایا؛ لیکن اپنوں کی بے توجہی کہی جائے یا ماحول کی ستم ظریفی کہ اب تک عوام تو عوام خواص بھی حضرت کے اس علمی سرمائے سے من کل الوجوہ مستفید ہونے سے قاصر ہیں۔

مزید برآں اکابر کا علمی سرمایا صرف لائبریریوں میں سجانے یا تہ خانوں میں دیمک کی خوراک بنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ عوام وخواص سب کے استفادہ کے لیے ہے آج ضرورت ہے کہ اکابر کا گراں مایہ علمی سرمایا منظر عام پر لایا جائے اور عوام وخواص کو استفادہ کا موقع دیا جائے۔

’رسائل حسن‘ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو محترم جناب ثاقب رضا قادری صاحب (پاکستان) اور پیکر خلوص حضرت علامہ محمد افروز قادری چریاکوٹی (انڈیا) بارک اللہ فیہما کی اجتماعی کوششوں اور کاوشوں سے عنقریب منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہونے والی ہے۔ ان دونوں محترم شخصیات نے ان قدیم ونایاب رسائل کی بازیابی سے اشاعت تک کا جو طویل سفر طے کیا اس میں انہیں کیا کیا دشواریاں اور پریشانیاں پیش آئی ہوں گی اس کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جو اس راہ کے مسافر ہیں، جو صرف کتب بینی ہی نہیں قلم رانی کا بھی شوق رکھتے ہیں جن کا منشا اپنے بزرگوں کے اثاثہ کو بہر استفادہ واستفاضہ ہر قاری تک پہنچانا ہے۔

یہ امر نہایت خوش کن ہے کہ مرتبین نے تقریباً ایک سال قبل مولانا حسن رضا کی جملہ تصنیفات وتالیفات کا مجموعہ تشکیل دینے کا خواب دیکھا، اور نہایت تندہی سے اس مختصر مدت میں مولانا کے نایاب رسائل کو نہ صرف تلاش کیا بلکہ ان کی جمع وتدوین اور ترتیب وتخریج کا کام بھی مکمل کرلیا۔ قدیم نسخہ جات کو جدید پیراہن پہناتے ہوئے اس بات کا بھی التزام رکھا کہ متن کو حرف بہ حرف برقرار رکھا جائے تاہم جہاں کہیں قدیم رسم الخط پایا گیا اس کو جدید رسم الخط میں تبدیل کردیا ہے۔

آمدم برسر مطلب: جناب محب گرامی وقار محترم ثاقب رضا صاحب نے اپنی اس کاوش کو منظر عام پر لانے سے قبل احقر سے اس کے تعارف کو بطور تبصرہ پیش کرنے کا حکم عطا فرمایا، میں گرچہ اس کا اہل نہیں؛ لیکن تعمیل حکم مقصود ہے؛ اس لیے بسبب شرف سعادت چند سطور قلمبند کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

’رسائل حسن‘ استاد زمن حضرت علامہ حسن علیہ الرحمہ کے قیمتی علمی وتحقیقی وتنقیدی مضامین سے مزین ادبی وفنی محاسن سے مملو رسائل کا مجموعہ ہے۔ کتاب کا سرورق خوبصورت ودل آویز ہے۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ پاکستان اور ہندوستان میں اس کتاب کی بیک وقت اشاعت عرس رضوی کے موقع پر ہورہی ہے۔ پاکستان میں اکبر بک سیلر (اردو بازار لاہور) اور انڈیا میں رضا اکیڈمی (ممبئی) اس کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔

کتاب کے سرورق پر مرتبین میں ’محمد ثاقب رضا قادری پاکستان، اور محمد افروز قادری چریاکوٹی کے اسماء کا اندارج بڑی ہی سادگی کے پیرائے میں رکھا گیا ہے، لمبے چوڑے القاب وخطابات یا سرورق سے گریز کیا گیا ہے، مصنفین ، مرتبین ومؤلفین کے لیے یہ بات لائق تقلید ہے۔

کتاب کھولنے کے بعد پہلے صفحہ پر رسائل حسن کا قدرے تعارف ہے۔ دوسرے صفحہ پر کتاب سے متعلق تفصیلات درج ہیں جس میں غرض وغایت کے حوالے سے یہ سطر تحریر ہے: ’تحفظ وترویج اثاثہ علماے اہلسنّت وجماعت‘ نیز اس کا بھی خلاصہ کر دیا گیا ہے کہ یہ کتاب ۶۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ ۴ پر مرتبین کی جانب سے اس کتاب کا انتساب دو عظیم بارگاہوں کی طرف کیا گیا ہے: مولانا حسن رضا کے مرشد گرامی سلطان العارفین سید نوری میاں قدس سرہ اور مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت قدس سرہ۔ انتساب میں ان دونوں حضرات کا انتخاب بلاشبہ حسن انتخاب ہے۔

صفحہ ۵ پر خضر راہ کے عنوان سے رسائل حسن کے صفحات کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ قاری حسب منشا رسالہ کا مطالعہ کر سکے۔

صفحہ ۶ سے ۱۷ تک مرتبین کی جانب سے حرف آغاز کے عنوان سے ایک طویل مضمون ہے جس میں دیگر باتوں سے قطع نظر رسائل حسن کا اجمالی تعارف بھی درج ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۳۸ تک ذکر حسن کے عنوان سے استاد زمن علامہ حسن کی سوانح کا قدرے تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا ہے، جو یقینا قابل مطالعہ ہے۔

صفحہ ۳۹ سے رسائل حسن کا سلسلہ شروع ہے اس سلسلہ کی پہلی کڑی رسالہ دین حسن ہے۔

دین حسن:

یہ رسالہ ۳۹ سے ۸۴ تک ۴۵ صفحات پر منتشر ہے۔

”۔۔۔۔۔تعجب کی بات یہ ہے کہ اب تک اس کتاب کو تصانیف اعلیٰ حضرت کے خانہ میں رکھا جاتا تھا مگر اس مجموعہ کے مرتب جناب محترم ثاقب صاحب نے اس حقیقت کا انکشاف جام نور میں اپنے ایک مضمون میں کیا وہ لکھتے ہیں :

’ردِ تفضیل پر مولانا حسن رضا کی ایک نادر ونایاب تالیف ہے۔۔۔۔۔سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے: ’الحمد للہ کہ در فضائل علیہ جناب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ مع بعض دلائل مختصر وعام فہم مسئلہ تفضیل حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایں رسالہ سیف قاطع وبرق لامع مسمّٰی بنام تاریخی ’الرائحۃ العنبریۃ من المجمرۃ الحیدریۃ‘ [۱۳۰۰ھ] ملقب بلقب مشعر سال عیسوی اعنی ’تزک مرتضوی‘ [۱۸۸۳ء]۔۔۔۔۔“

اس رسالہ کی پہلی اشاعت سے متعلق احقر کو علم نہیں۔ احقر کے پاس یہ رسالہ کتابی شکل میں موجود نہیں ہے البتہ خانوادۂ رضویہ کا یادگار رسالہ الرضا کے جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ کے شمارے میں اس رسالہ کو شامل کیا گیا تھا وہ احقر کے پاس موجود ہے۔ احقر نے اسے سرسری نظر سے پڑھا اور اسے اپنے موضوع کی ایک بے مثال کتاب پایا۔ رسالہ الرضا میں اس کتاب کا تعارف درج ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

”یہ نادر ونایاب کتاب ہے جس میں مصنف اعلام نے اپنے زور قلم سے اسلام کی حقانیت اور دین مبین کی صداقت کا ثبوت دیا ہے۔ ابتدائی صفحات میں صحابہ کرام کے بعض اہم واقعات ذکر کیے ہیں جن میں کا ہر ایک واقعہ

تاریخی واقعہ ہونے کے علاوہ بطور خود ایک مستقل دلیل ہے۔ اس کے بعد دنیا کے ان مشہور فلاسفروں اور سرزمین ہند کے ان نام آور پنڈتوں کی تحریریں نقل کی ہیں جن سے اِس مقدس دین کی سچائی نے اپنی تعریف کے خطبے پڑھوالیے۔ تو یہ کتاب اسلام کی مختصر تاریخ اور ہنود و نصاریٰ کی ان عقلی دلائل و مدائح کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے ادراک و احساس کے موافق اپنے الفاظ میں لکھے ہیں پھر ان سب پر سلیس عبارت اور نفیس زبان نے لطف بیان اور بھی دوبالا کر دیا ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ ہندوستان کے مشہور اُردو نگار حضرت مولانا مولوی محمد حسن رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کی اعلیٰ تصنیف ہے۔''

نگارستانِ لطافت :

صفحہ ۸۵ سے دوسرا رسالہ مسمی بہ نگارستان لطافت شروع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ۶۹ صفحات کو محیط ہے۔ اس رسالہ کا موضوع میلادِ رسول ہے۔ علامہ نے اس میں نظم ونثر دونوں انداز میں خامہ فرسائی کی ہے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے ایک طرف ادبی و شعری گل ریزی سے قاری کا ذہن ودماغ معطر ہوگا تو دوسری طرف نثری اسلوب بیان کی چاشنی سے قاری کی زبان لطف اندوز ہوگی۔

اس رسالہ کی پہلی طباعت ۱۳۰۲ھ میں ہوئی جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا درج ذیل تاریخی قطعہ اس کا صاف پتہ دے رہا ہے ؎

یافت حسن حُسنِ تحسیں ازحسان درذکرِ حسیں
گفت رضاؔ تاریخ چنیں 'نعت اشرف قبلۂ دیں

[۱۳۰۲ھ]

تزک مرتضوی :

ص ۱۵۵ سے رسالہ 'الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية' معروف بہ 'تزک مرتضوی' کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ رسالہ صفحہ ۱۹۱ تک ہے؛ یعنی یہ رسالہ ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ میں مصنف موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت وعظمت ورفعت پر تفصیلی کلام فرمایا ہے، نیز اہل سنت کے حوالے سے فرقۂ تفضیلیہ کی طرف سے شیخین پر کیے جانے والے اعتراضات والزامات کے دندان شکن جوابات بھی قلمبند فرمائے ہیں۔ یہ رسالہ اپنی نظیر آپ ہے۔

اس رسالہ کی پہلی طباعت مطبع جماعت تجارت میرٹھ سے ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔'الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية' سن ہجری [۱۳۰۰ھ] اور ''تزک مرتضوی'' سے سن عیسوی ۱۸۸۳ء برآمد ہوتی ہے۔ مزید برآں مدتِ مدید کے بعد گزشتہ برس یہ کتاب محترم افروز قادری صاحب چریا کوٹی کے تحشیہ وتخریج وترتیب جدید سے مزین ہوکر محترم ثاقب صاحب کی مدد سے منظر عام پر آچکی ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اب تک اس کتاب

’’۔۔۔۔۔۔اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت نے دس فتاوی تحریر فرمائے ہیں، جن میں ندوہ کے اقوالِ قبیحہ اسی کی کتابوں سے درج فرما کر سوالات بھی قائم کیے ہیں، اور جوابات کا مطالبہ فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ان فتاوی پر ہندوستان کے مشاہیر علما کی تصدیقات بھی درج ہیں۔ علامہ حسن رضا علیہ الرحمہ نے ان فتاوی کو ترتیب دے کر کتابی شکل میں منظر عام پر پیش فرمایا۔ بایں سبب سرورق پر تالیف کے حوالے سے آپ کا اسم گرامی مندرج ہے۔ علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت اور المجمل المعدد لتالیفات المجدد میں اس رسالے کو اعلیٰ حضرت سے منسوب فرمایا ہے۔ یہ رسالہ ۳۶۳ سے ۳۸۹ تک صفحات پر بکھرا ہوا ہے۔۔۔۔۔‘‘

کو تصانیف اعلیٰ حضرت کے خانہ میں رکھا جاتا تھا مگر اس مجموعہ کے مرتب جناب محترم ثاقب صاحب نے اس حقیقت کا انکشاف جام نور میں اپنے ایک مضمون میں کیا وہ لکھتے ہیں :

’ردِ تفضیل پر مولانا حسن رضا کی ایک نادِر و نایاب تالیف ہے۔۔۔۔۔سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے :

’الحمد للہ کہ در فضائل علیہ جناب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ مع بعض دلائل مختصر و عام فہم مسئلہ تفضیل حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایں رسالہ سیف قاطع و برق لامع مسمّٰی بنام تاریخی ’الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية ‘[۱۳۰۰ھ] ملقب بلقب مشعر سال عیسوی اعنی ’تزک مرتضوی‘[۱۸۸۳ء] ۔ از تالیف لطیف : جناب مولوی حسن رضا خان صاحب حسنؔ قادری برکاتی ابوالحسینی بریلوی بفرمائش جناب مولوی غلام شبر صاحب قادری برکاتی ابوالحسینی بدایونی‘۔

حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۴۴ پر اس کتاب کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کیا ہے۔ تصانیف اعلیٰ حضرت میں اس کا نمبر شمار ۳۰۵ درج ہے۔ مزید صفحہ نمبر ۱۴۸ پر ردِ نواصب کے عنوان کے تحت اعلیٰ حضرت کی تصنیف کے طور پر بیان کیا ہے۔ مزید صفحہ نمبر ۲۰۶ پر ’ردِ تفضیلیہ‘ کے عنوان سے سات تصانیف کے نام لکھے، جن میں سے ایک ’الرائحة العنبرية من المجمرة الحيدرية المعروف بہ تزک مرتضوی‘ ہے۔

آئینۂ قیامت :

اس کے بعد صفحہ ۲۹۳ سے رسالہ آئینۂ قیامت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ رسالہ خاص طور پر کربلا کے معرکۃ الآرا واقعہ پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں حسنین کریمین کی فضیلت پر مشتمل احادیث کریمہ بھی نقل کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارا علمی و تحقیقی مواد اس رسالہ میں موجود ہے۔ رسالہ ھٰذا میں روایات صحیحہ کو بیان کرنے کا اِلتزام کیا گیا ہے۔ واقعہ کربلا سے متعلق اس کتاب کو اِستناد کا درجہ حاصل ہے۔ اعلی حضرت نے فرمایا کہ ’حسن میاں مرحوم میرے بھائی کی کتاب آئینہ قیامت میں صحیح روایات ہیں

اسے سننا چاہیئے۔ یہ رسالہ ۶۵ صفحات کو محیط ہے۔

بے موقع فریاد کے مہذب جواب:

اس کے بعد رسالہ 'بے موقع فریاد کے مہذب جواب' کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ رسالہ ۵۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ کے نام کے حروف سے عدد ۱۳۱۲ھ برآمد ہے، جو اس رسالہ کی طباعت کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ رسالہ دراصل پنڈت بشن نرائن کی کتاب 'انگریزوں سے ہندوستانیوں کی فریاد'- جو گاؤکشی کی مذمت پر مبنی ہے جس میں گائے کی حلت سے متعلق اسلامی نظریہ کی تردید کی گئی ہے-کا جواب لاجواب ہے۔

سوالات حقائق نما برؤس ندوۃ العلماء:

صفحہ ۳۳۵ سے رسالہ ''سوالات حقائق نما برؤس ندوۃ العلماء [۱۳۱۳ھ]' شروع ہوتا ہے۔ یہ ۱۳۱۳ ہجری میں نادری پریس، بریلی سے پہلی بار طبع ہوا۔ ۲۵ صفحات پر مشتمل اس رسالہ میں ندوہ کے مفاسد اور خامیوں کی نشاندہی پر مبنی ستر سوالات ہیں، جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خود ندوہ کی درخواست پر تحریر فرمائے تھے، جس کے جواب سے اہل ندوہ آج تک قاصر ہیں۔ جس کا ذکر خود سیدی اعلیٰ حضرت نے چراغِ انس میں اس طرح فرمایا:

میرے ستر سوال کا قرضہ نہ اَدا ہو سکا محب رسول

فتاوی القدوۃ لکشف دفین الندوہ:

اس کے بعد رسالہ 'فتاوی القدوۃ لکشف دفین الندوہ' کی اِبتدا ہوتی ہے۔ رسالہ کا یہ تاریخی نام ہے، سن ۱۳۱۳ہجری اس سے برآمد ہوتی ہے جو اس کی طباعت کی تاریخ ہے۔

اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت نے دس فتاوی تحریر فرمائے ہیں، جن میں ندوہ کے اقوالِ قبیحہ اسی کی کتابوں سے درج فرما کر سوالات بھی قائم کیے ہیں، اور جوابات کا مطالبہ فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ان فتاوی پر ہندوستان کے مشاہیر علما کی تصدیقات بھی درج ہیں۔ علامہ حسن رضا علیہ الرحمہ نے ان فتاوی کو ترتیب دے کر کتابی شکل میں منظر عام پر پیش فرمایا۔ بایں سبب سرورق پر تالیف کے حوالے سے آپ کا اسم گرامی مندرج ہے۔ علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت اور المجمل المعدد لتالیفات المجدد میں اس رسالے کو اعلیٰ حضرت سے منسوب فرمایا ہے۔ یہ رسالہ ۳۶۳ سے ۳۸۹ تک صفحات پر بکھرا ہوا ہے۔

ندوہ کا تیجہ رُوداد سوم کا نتیجہ:

صفحہ ۳۹۰ سے رسالہ 'ندوہ کا تیجہ رُودادِ سوم کا نتیجہ' کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ اس رسالہ کا تاریخی نام ہے جس کے عدد ۱۳۱۴ھ نکلتے ہیں جس سے اس کی سن طباعت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ رسالہ ندوۃ العلما کی دعوت اتحاد و اتفاق کے در پردہ مضمر مقصود اصلی کے انکشاف نیز اہل ندوہ کی اوہام پرستی، چیرہ دستی کے سد باب اور اتہامات والزامات واعتراضات کے معقول جوابات پر مبنی ہے۔ یہ رسالہ ۸۰ صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔

مرتب رسائل ھٰذا نے اس کتاب سے متعلق بھی ایک حقیقت کا اِنکشاف کیا ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں اس

کتاب کو علامہ حسن رضا کی تصنیف شمار کیا ہے، حالانکہ حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے اس کتاب کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف قرار دیا ہے۔ محترم موصوف ثاقب قادری صاحب رقم طراز ہیں: یہ کتاب مشتملہ ۶۱ صفحات مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی سے ۱۳۱۴ھ میں طبع ہوئی۔ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے :

'الحمدللہ یہ مبارک رسالہ جس میں بہت روشن و دل پسند و عام فہم وسودمند بیان سے ظاہر کیا ہے کہ ندوہ کا اصل مقصد کیا ہے اور اس دعوت اتحاد و اتفاق کی کس خیال پر بنا ہے، اس ندوہ اخیر کو ندوہ سابقہ دارالندوہ سے علاقہ کتنا ہے۔ آخر میں ندوہ کی مختصر رُوداد سوم کی نامہذب دشناموں باطل اتہاموں کے معقول جواب مظہر صواب (تحریر ہیں۔)'

سرورق پر مولانا حسن رضا کا نام یوں تحریر ہے: 'مداحِ مصطفی خادم الاولیا صاحب طبع نقاد و ذہن وقاد جناب مولانا مولوی محمد حسن رضا خان صاحب حسنؔ قادری برکاتی ابُوالحسینی سلمھم اللہ عن الافات و المحن'۔

حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۵۴ اور ص ۲۰۲ پر اس کتاب کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کیا ہے۔ تصانیف اعلیٰ حضرت میں اس کا نمبر شمار ۳۱۸ درج ہے۔

ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری:

اس کے بعد رسالہ 'ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری' شروع ہوتا ہے۔ اس کی سن اشاعت ۱۳۳۲ھ ہجری ہے۔ یہ رسالہ محترم ثاقب رضا قادری صاحب کی تحقیق کے مطابق علامہ حسن رضا علیہ الرحمہ کی جانب سے جاری کردہ ماہنامہ 'قہر الدیّان علی مرتدٍ بقادیان' میں قسطوار شائع ہوا؛ البتہ دوسرا شمارہ دستیاب نہ ہونے کے سبب پہلی قسط ہی کو شائع کر دیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ردقادیانیت پر جاری ہونے والا پہلا ماہنامہ ہے مگر افسوس ردقادیانیت کی تاریخ میں اس سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ مولانا حسن رضا کی زیر ادارت جاری ہونے والے اس رسالہ میں آپ کو تقریباً ۱۸۵ احباب کا تعاون حاصل تھا لہذا یہ گمان کرنا نہایت دشوار ہے کہ اس قدر کثیر احباب کے تعاون کے ساتھ جاری ہونے والے ماہنامے کا ایک ہی شمارہ شائع ہوا ہو۔ بہر کیف مولانا حسن رضا کی کتاب ''ہدایت نوری'' کی قسط وار اشاعت سے اس رسالہ کا آغاز ہوا، اس میں قادیانی کفریات وخرافات ومغلظات بیان کیے گئے ہیں نیز ان کے دندان شکن جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ یہ رسالہ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

اظہار رُوداد:

صفحہ ۸۳ سے ''اظہار رُوداد'' کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ اس روداد کا تاریخی نام ہے، جس سے سن ۱۳۲۲ ہجری برآمد ہوتی ہے۔ یہ مدرسہ منظر الاسلام کے سال اوّل یعنی ۱۳۲۲ھ کی روداد ہے۔ ۷۴ صفحات پر مشتمل اس روداد میں مدرسہ کے معاونین و چندہ دہندگان کے اسمائے گرامی درج ہیں۔ نیز مدرسہ سے جاری شدہ آٹھ فتاوی بھی اس میں شامل ہیں۔ علامہ حسن رضا علیہ الرحمہ نے ۱۳۲۲ھ میں اسے ترتیب دے کر شائع فرمایا۔

کوائف اخراجات :

اس کے بعد 'کوائف اخراجات' کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ رسالہ کا تاریخی نام ہے۔ رسالہ کے نام سے ۱۳۲۳ کا عدد نکلتا ہے، جو اس روداد کی سن طباعت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ علامہ حسن رضا نے اسے مرتب فرمایا، اور مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی سے اس کی طباعت و اشاعت ہوئی۔ ۱۲ صفحات پر مشتمل یہ روداد منظر اسلام کے سال دوم کی روداد ہے۔ اس میں سال بھر کی آمدنی و اخراجات کی تفصیل، طلبا کی تعداد، داخل نصاب کتب کی فہرست، اور اساتذہ و ممتحن حضرات کے اسما کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز علامہ حسن رضا علیہ الرحمہ کی مدرسہ سے متعلق کارکردگی پر حضرت شاہ سلامت اللہ رامپوری علیہ الرحمہ کا درج ذیل تاثر بھی شامل کیا گیا ہے۔

'ہمت عالی اور توجہ خاص منتظم دفتر جناب مولانا حسن رضا خان صاحب دام مجد ہم سے اُمید کامل ہے کہ اس مدرسہ مبارکہ سے جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں ہے، ایسے برکات فائض ہوں جو تمام اطراف و جوانب کی ظلمات اور کدُورات کو مٹائیں اور ترویج عقائد حقہ مُنیفہ اور ملت بیضاء شریفہ حنیفہ کے لئے ایسی مشعلیں روشن ہوں جن سے تمام عالم منور ہو'۔

فاضل مرتبین کو اس رسالہ کے صرف ۱۶ صفحات ہی دستیاب ہوئے۔

آخر میں صفحہ ۵۴۳ سے ۶۲۳ تک 'باقیات حسن' کے نام سے علامہ حسن رضا علیہ الرحمہ کے گراں مایہ مضامین ومقالات اشتہارات ومکتوبات اور دیگر متفرق تحریریں شامل کی گئی ہیں۔ اشتہارات ومکتوبات عام طور پر ندوہ سے متعلق ہیں۔ مضامین ومقالات میں غزوۂ تبوک و یرموک وغیرہ عناوین شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی علمی تحریریں ہیں جو قاری کے لیے خالی از فائدہ نہیں۔

اور آخر میں بیرونی صفحہ پر علامہ حسن رضا علیہ الرحمہ اور رسائل حسن کا ذکر جمیل کیا گیا ہے، نیز رسائل کی اشاعت سے متعلق قلبی فرحت اور مسرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ مجموعہ رسائل بحسن وخوبی کو تکمیل کو پہنچتا ہے۔

علاوہ ازیں رسالہ کی اس خوبصورت انداز میں ترتیب، رسائل میں موجودہ عربی وفارسی عبارات کی عام فہم ترجمانی، آیات کریمہ واحادیث نبویہ کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ تخریج اور پیچیدہ عبارات کی حاشیہ میں وضاحت جیسی خوبیوں سے اس مجموعہ کو مزین کیا گیا ہے۔ یہ سارا کمال مرتبین مجموعہ جناب محترم ثاقب رضا قادری اور محترم علامہ محمد افروز قادری صاحب چریا کوٹی کا ہے، جنہوں نے اپنی انتھک محنت وجدوجہد سے اس مجموعہ رسائل حسن کو شکل حسن دینے کی کوشش کی ہے۔ مرتبین کی یہ کاوش یقیناً انہیں سربلند کرے گی، اور ممتاز ومنفرد افراد کی صف میں انہیں انفرادی وامتیازی شان عطا کرے گی۔

دعا ہے مولیٰ تعالیٰ ان دونوں محترم حضرات کو بطفیل علامہ حسن ورسائل حسن دینی ودنیاوی ترقیاں وکامیابیاں وکامرانیاں عطا فرمائے۔ ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، مزید علم وعمل کی توفیق بخشے، دارین کی نعمتوں برکتوں سے سرفراز فرمائے۔ اور ان کی اس کاوش کو مقبول انام بنائے۔ آمین بحق النبی الامین المتین۔

□□□

حضور تاج الشریعہ کی فقہی خدمات

ٹائی کا مسئلہ: تحقیقی معنویت اور تعمق نظر

مولانا شاہد القادری صاحب (کولکاتا)

''۔۔۔۔۔یہود و نصاریٰ نے عالمی طور پر بالادستی حاصل کرنے کے لئے اپنے پاس عظیم منصوبے رکھتے ہیں، ان میں ایک عظیم منصوبہ ٹائی کو دوسرے مذاہب کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر کس طور پر مسلط کیا جائے؟ ان لوگوں نے تعلیمی راستہ کو منتخب کیا، سب سے پہلے سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت کو عالمی سطح پر منوایا اور ان کے اصطلاحات کو صرف انگریزی زبان میں محفوظ رکھا تاکہ جس بھی زبان کا ماننے والا ہو، وہ انگریزی زبان کو سیکھنے پر مجبور ہو جائے اور اس کے حصول کے لئے اپنے مذہبی شعار ''ٹائی'' کا استعمال ہر اسکول میں لازمی قرار دیا اور اس چور راستے سے دوسرے مذاہب کے علاوہ مسلمانوں پر بھی [ٹائی] کا استعمال جبریہ لازم قرار دیا گیا اور غیر شعوری طور پر مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کے نام پر۔ نصاریٰ کے اس مذہبی شعار کو قبول کر لیا۔ اور دانستہ اور اور غیر دانستہ طور پر اس کے استعمال کے عادی بھی ہوتے چلے گئے۔۔۔۔۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے ''اے ایمان والوں! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے'' [ترجمہ: کنز الایمان، مائدہ:۵۱]

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے اتحاد و تعلقات کو امت مسلمہ کے لئے زہر قاتل قرار دیا ہے، اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان سے اتحاد کی باتیں نہ کریں ورنہ اللہ رب العزت علام الغیوب عزوجل کے فرمان کے خلاف بھی عمل ہوگا اور ہمیں تباہی سے کوئی بچا بھی نہیں سکتا ہے۔ یہ قومیں مکار و فریبی ہیں، گرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی کے مسئلہ میں آپس میں دست و گریباں ہیں، لیکن جب امت مسلمہ کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو یہ دونوں متحد ہو جایا کرتے ہیں یہی سبب ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ نے ان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان سے دوری بنانے اور ان کے مذہبی رسم و رواج کو اپنانے سے اللہ و رسول ﷺ نے سختی منع فرمایا ہے۔ اور نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جس نے کسی کے مذہبی

شعار سے مشابہت اختیار کی وہ اسی میں سے ہے“

یہود و نصاریٰ نے عالمی طور پر بالا دستی حاصل کرنے کے لئے اپنے پاس عظیم منصوبے رکھتے ہیں، ان میں ایک عظیم منصوبہ ٹائی کو دوسرے مذاہب کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر کس طور پر مسلط کیا جائے؟ ان لوگوں نے تعلیمی راستہ کو منتخب کیا، سب سے پہلے سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت کو عالمی سطح پر منوایا اور ان کے اصطلاحات کو صرف انگریزی زبان میں محفوظ رکھا تاکہ جس بھی زبان کا ماننے والا ہو، وہ انگریزی زبان کو سیکھنے پر مجبور ہو جائے اور اس کے حصول کے لئے اپنے مذہبی شعار ”ٹائی“ کا استعمال ہر اسکول میں لازمی قرار دیا اور اس چور راستے سے دوسرے مذاہب کے علاوہ مسلمانوں پر بھی [ٹائی] کا استعمال جبریہ لازم قرار دکیا گیا اور غیر شعوری طور پر مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کے نام پر۔ نصاریٰ کے اس مذہبی شعار کو قبول کر لیا۔ اور دانستہ اور اور غیر دانستہ طور پر اس کے استعمال کے عادی بھی ہوتے چلے گئے۔

”ٹائی کے استعمال کا مسئلہ“ علمائے اسلام اور فقہا عظام کے نزدیک اسلامی اصول کے پیش نظر بہت ہی نازک مسئلہ ہے، عصری علوم سے لیس حضرات بالخصوص یورپ و امریکہ اور جنوبی ہند کے مسلمان خوشی خوشی ”“ ٹائی“ کا استعمال کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں اور نہ استعمال کرنے والوں کو دقیانوسی مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ اس مسئلہ پر حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی بارگاہ قدس میں ایک عریضہ پیش کیا گیا، آپ نے کسی کے پرواہ کئے بغیر ”ٹائی کے مسئلہ“ پر حکم شرع بیان فرما کر قاضی القضاۃ فی الہند ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ٹائی کے تعلق سے مولانا نشتر فاروقی مدظلہ العالی کی یہ تحریر ملاحظہ کریں:

”ظاہر ہے کہ یہ اس (نصاریٰ) کی شاطرانہ چال ہے کیوں کہ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر یہ واضح کر دیا جائے کہ ٹائی نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے تو دیگر سبھی مذاہب کے پیروکار نہیں، تو کم از کم دنیا کے کڑوروں مسلمان تو ضرور اسے ترک کر دیں گے، جو اس کے مذہبی اغراض و مقاصد کے یکسر خلاف ہے“ [ٹائی کا مسئلہ، ص:٦]

علامہ نشتر فاروقی مدظلہ آگے لکھتے ہیں:

”جب اس شاطر قوم نے دیکھا کہ ہم اپنے فاسد ومفسد مقاصد میں کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل کر پا رہے ہیں تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنی تہذیب وثقافت اور اپنی وضع وقطع کو مسلمانوں میں رواج دے دیں، اس طرح مسلمان اعتقادی طور پر نہ سہی کم از کم ظاہری وضع وقطع میں ضرور یہود و نصاریٰ نظر آئیں گے اور اس مقصد میں انہیں کسی حد تک کامیابی بھی ملی [ایضاً ص:٦/٧]

عالم ربانی، فقیہ لاثانی شہزادۂ علامہ جیلانی فقیہ اسلام تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی الحاج محمد الشاہ اختر رضا خاں قادری ازہری محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے ”ٹائی کے مسئلہ“ پر مولانا محمد شہاب الدین رضوی صاحب نے ایک استفتا کیا

تھا، اس پر حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے بہت ہی شرح وبسط کے ساتھ مدلل اور مبرہن جواب عنایت فرما کر حقیقت سے آشکارا فرمایا اور حکم شرع نافذ فرمایا، آپ نے جس قدر دلائل و براہین سے اس فتویٰ کو مزین فرمایا ہے، جہاں طویل فتویٰ ہونے کی وجہ سے ایک تحقیقی رسالہ کی شکل اختیار کر گیا وہیں اس کے مطالعہ سے رسالہ کی تحقیقی معنویت اور حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے تعمق نظر کا بھی پتہ ملتا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے اس تحقیقی رسالہ کو پڑھنے کے بعد مراجع کا ایک خزانہ سامنے آتا ہے، آپ نے جن جن کتابوں کے حوالے جات سے اپنے موقف کو مستند انداز میں پیش کیا ہے ان سے آپ کا ذوق مطالعہ، وسعت علمی اور بڑی کتابوں تک کی رسائی کا پتہ ملتا ہے۔ وہ کتابیں یہ ہیں:

(۱) قرآن مقدس (۲) بیضاوی شریف (۳) بخاری شریف (۴) مسند امام احمد بن حنبل (۵) ہدایہ شریف (۶) اختیار شرح مختار (۷) عینی (۸) زواجر (۹) شرح درود (۱۰) حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ (۱۱) فتاویٰ عالمگیری (۱۲) محیط (۱۳) الاشباہ والنظائر (۱۴) فتاویٰ رضویہ (۱۵) فتاویٰ مفتی اعظم کراس (cross) کی تحقیق پیش کرتے ہوئے حضور تاج الشریعہ لکھتے ہیں: کراس (cross) جسے مسلم وغیر مسلم سب بالاتفاق عیسائیوں کا نشان مانتے ہیں، اس کراس کا اطلاق جس طرح اس معروف نشان پر ہوتا ہے، اسی طرح وہ تختہ جس پر بقول نصاریٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ پھانسی دی گئی کراس کا مصداق ہے، چنانچہ انگریزی

''۔۔۔۔منجملہ ٹائی مکمل [کراس] ہے، مع شیئ زائد ہے، اس میں پھانسی کا پھندا بھی ہے،، اسی پر [Bowti] کو قیاس کر لیجئے، اس کے گلے میں بندھے سے بھی کراس کی شکل بنتی ہے، جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے، کراس اور شبیہ کراس عیسائیوں کا مذہبی نشان ہے، تو ٹائی کو [کراس] مانو [شبیہ کراس] مانو، بہر صورت وہ عیسائیوں کا مذہبی شعار ہے اور جو چیز کافروں کا مذہبی شعار ہو، وہ ہر گز روا نہ ہوگی، گرچہ معاذ اللہ کیسی ہی عام ہو جائے۔۔۔۔۔''

کی متداول لغت Practical advanced Twentieth Century Daictonary میں ''Cross'' کے تحت ہے:

Stake With a Transverse Bar Used for the Crucifixtion، سولی، صلیب، the Cross Wooden Structure on چلیپا، Which accroding to christian religious belief jesus was crucified[P,166]

جو چیز اس کراس کی شکل پر ہو وہ بھی کراس کا مقصد ہے، چنانچہ اسی ڈکشنری میں اسی جگہ [Anything shaped like + ar x] The اشارۂ صلیب sing of the cross صلیب نما چیلیا نما (ایضاً،ص:۱۱)

کراس (cross) کے تعلق سے حتمی فیصلہ صادر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"منجملہ ٹائی مکمل [کراس] ہے، مع شئے زائد ہے، اس میں پھانسی کا پھندا بھی ہے،، اسی پر [Bowti] کو قیاس کر لیجئے، اس کے گلے میں بندھے سے بھی کراس کی شکل بنتی ہے، جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے، کراس اور شبیہ کراس عیسائیوں کا مذہبی نشان ہے، تو ٹائی کو [کراس] مانو [شبیہ کراس] مانو، بہرصورت وہ عیسائیوں کا مذہبی شعار ہے اور جو چیز کافروں کا مذہبی شعار ہو، وہ ہرگز روا نہ ہوگی، گرچہ معاذ اللہ کیسی ہی عام ہو جائے"

اہل بصیرت کو تو خود ٹائی کی شکل سے اس کا حال معلوم ہو گیا، مگر اس کی عیسائیوں کے یہاں اتنی اہمیت ہے کہ مردہ کو بھی ٹائی پہناتے ہیں، تو ضرور یہ ان کا مذہبی شعار ہے، جو مسلم کے لئے حرام اور باعث عار و نار ہے (ٹائی کا مسئلہ،ص:۱۲، ۱۳)

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے قول کو مستحکم کرنے کے لئے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے اس فتوی کو سپرد قرطاس کرتے ہیں: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دیئے جانے کی کفری یادگار (ٹائی) ہے، ٹائی پھانسی کا پھندا اور کراس مارک یہ نشان + سولی ہے، حالانکہ ان کے مصلوب ہونے کا عقیدہ کفری ہے، اور قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہے۔

جو شعار کفری ہے، اس کا حکم کبھی نہیں بدلے گا، ہمیشہ کفر رہے گا، چاہے اس کا استعمال کفار کے ساتھ خاص رہے یا معاذ اللہ مسلمان بھی اس کو استعمال کرنے لگے، یہاں بھی عموم بلوئ یا حرج کی بات کرنا لغو ہے، اور اسی قسم کے شعار کفری میں ہے، ہندوؤں کا زنار باندھنا اور قشقہ لگانا، ٹائی کا قیاس پتلون وغیرہ پر کرنا درست نہیں کہ ٹائی کفری شعار ہے، اور پتلون وغیرہ اور دیگر فاسقانہ وضع کے لباس، جو شعار قومی ہیں، حرام یا ممنوع ہیں (ایضاً،ص:۱۹)

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سیدنا مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت عالی میں عرض کیا گیا کہ ایسا لباس پہننا جس سے فرق کافر و مسلمان کا نہ رہے، شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ تو حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا:

"حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من تشبہ بقوم فھو منھم (جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے) بلکہ اس میں بہت صورتیں کفر ہیں، جیسے زنار باندھنا بلکہ شرح الدر للعلامۃ النابلسی عبد الغنی بن

اسماعیل رحمہما اللّٰہ تعالیٰ میں ہے ''صحیح مذہب یہ ہے کہ فرنگیوں کی وضع پہننا کفر ہے،''فتویٰ خلاصہ میں ہے''کسی عورت نے اپنی کمر میں رسی باندھی اور کہا کہ یہ جینو ہے کافرہ ہوگئی، واللہ تعالیٰ اعلم'' (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰، ص:۱۹۰)

بعض حضرات نے حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں یہ اعتراض کیا کہ''ٹائی'' کا استعمال شعار کفری میں سے ہے تو نصاریٰ کی عبادت گاہ کو رب کی بندگی کے لئے استعمال کرنا کیوں کر درست ہے کہ وہاں حضرت مریم وحضرت عیسیٰ کا مجسمہ ہوتا ہے جبکہ صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے''کنیسہ''میں نماز پڑھی ہے، اس بابت آپ کیا فرماتے ہیں، حضرت اس کا اطمینان بخش جواب عنایت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

بخاری شریف میں ہے''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گرجا گھر میں نماز پڑھتے تھے، مگر اس گرجا میں نہیں، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے مجسمے ہوں''مزید''عینی جلد رابع'' کا حوالے سے لکھتے ہیں:

''امام بغوی علیہ الرحمہ نے جو جعدیات میں اتنا زیادہ کہا کہ اگر کنیسہ میں تصویریں ہوتیں تو اس سے نکل جاتے اور بارش ہی میں نماز پڑھتے۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ خلاصہ کلام پیش کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:''حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بارش کی وجہ سے بحالت مجبوری کنیسہ میں نماز پڑھی، اور جب کنیسہ میں تصاویر پائیں تو کنیسہ سے باہر تشریف لائے اور بارش میں نماز ادا فرمائی۔ اور بحالت اضطرار ناپسندیدگی کے ساتھ کنیسہ میں جانا مومن ہی کی شان ہے اور برضا رغبت کنیسہ میں جانا کافروں کا کام ہے، اور یہ کفری شعار ہے، اور اس میں کفار کی موافقت باجماع مسلمین کفر ہے (ایضاً، ص:۲۱، ۲۲)

ٹائی کے تعلق سے حرف آخر کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں''بہر حال ٹائی کا استعمال حرام اشد حرام بدکام بدانجام ہے، اور باندھنے والے پر عند الفقہا حکم کفر ہے اگر چہ احتیاطاً محض باندھنے پر محققین کے نزدیک تکفیر نہیں کی جائے گی۔'' (ایضاً، ص:۲۷)

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے تحقیقی معنویت اور تعمق نظر سے بھرپور اس رسالہ کو اپنے مرشد اجازت مخدوم گرامی سرکار احسن العلما علامہ سید شاہ مصطفی حیدر حسن قادری برکاتی محدث مارہروی علیہ الرحمہ کی خدمت عالی جاہ میں نظر ثانی کے لئے پیش کیا، تو خاندان برکات کے چشم و چراغ حضور احسن العلما اس تحقیقات عالیہ پر یوں گویا ہوئے:

''فقیر برکاتی نے اس رسالہ احادیث قبالہ (ٹائی کا مسئلہ) کو اپنے ٹوٹے پھوٹے علم کے مطابق لگ بھگ بالاستیعاب دیکھا، اس مسئلہ پر عزیز موصوف (حضور تاج الشریعہ) زید مجدہم نے بڑے اچھے اور سلجھے ہوئے انداز میں تحقیق فرماتے ہوئے اس کے سارے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر

نہ صرف یہ کہ خود اپنی کاوش سے دلائل شرعی وفقہی کی روشنی میں حکم شرعی کو واضح فرمایا، بلکہ اس موضوع پر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان اور ان کے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا، اسے بھی ناظرین کے سامنے شرح وبسط سے بیان کر دیا ہے (ایضاً، ص: ۳) اس رسالے کی افادیت کے پیش نظر حضور احسن العلما بطور نصیحت برائے امت مسلمہ ارشاد فرماتے ہیں:

''خلاصہ تحریر یہ کہ عامۂ مسلمین کے لئے اپنے موضوع پر یہ رسالہ اس قابل ہے کہ ہم سب اس میں جو احکام شرعیہ بیان کئے گئے ہیں خدا توفیق دے تو ان پر سچے دل سے عمل کرتے ہوئے اپنی صورت وسیرت، قول وفعل، ظاہر وباطن غرض اپنی زندگی کے ہر موڑ پر سچے پکے مسلمان بنیں اور یہود ونصاریٰ وغیرہ جملہ کفار ومشرکین ومرتدین ومبتدعین کے ہر قول وفعل کو برا جانیں اور حتی الوسع خود اس سے دور ونفور رہیں، اور اسی تعلیم کی تلقین اپنے گھر والوں اعزہ واقارب کو بھی کریں (ایضاً، ص: ۳)'' اس کتاب کی تحقیقی معنویت پر جماعت اہل سنت کے اجلۂ مشائخ ومفتیان عظام وعلما کرام نے اپنی مہر ثبت فرما کر اس کی صوری ومعنوی حیثیت کو مزید اجاگر کر دیا۔

اجلۂ مشائخ کی تصدیقات:

۱۔ احسن العلما مفتی سید مصطفی حیدر حسن برکاتی (مارہرہ شریف)
۲۔ امین شریعت علامہ سبطین رضا خاں رضوی (بریلی شریف)
۳۔ صدر العلما علامہ تحسین رضا خاں رضوی (بریلی شریف)
۴۔ رئیس الفقہا مفتی سید ظہیر الدین زیدی (علی گڑھ)
۵۔ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی (گھوسی)
۶۔ فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی (بستی)
۷۔ ماہر اصول وفروع مفتی عاشق الرحمٰن حبیبی (الہ آباد)
۸۔ شیخ القرآن علامہ عبداللہ خان عزیزی (جمدا شاہی)
۹۔ محمود ملت مفتی محمود احمد سلامی برہانی (جبل پور)
۱۰۔ شہزادۂ صدر الشریعہ مفتی بہاء المصطفیٰ امجدی (بریلی شریف)
۱۱۔ مشاہد ملت علامہ مفتی مشاہد رضا خاں حشمتی (پیلی بھیت)
۱۲۔ استاذ الفقہا مفتی قاضی عبدالرحیم محدث بستوی (بستی)
۱۳۔ اشرف العلما علامہ مفتی مجیب اشرف رضوی (ناگپور)
۱۴۔ شیخ العلما علامہ شبیہ القادری رضوی (سیوان)
۱۵۔ شاہد ملت علامہ سید مفتی شاہد علی رضوی جمالی (رام پور)

مفتیان عظام وعلمائے کرام کی تصدیقات:

۱۔ استاذ العلما مفتی محمد جہانگیر احمد رضوی (بریلی شریف)
۲۔ بقیۃ السلف مفتی حبیب رضا خاں بریلوی (بریلی شریف)
۳۔ مفتی زماں مفتی محمد صالح رضوی (بریلی شریف)
۴۔ خواجہ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی (پورنیہ)
۵۔ رئیس العلما مفتی سید عارف حسین رضوی (بہرائچ)
۶۔ علامہ محمد غفران صدیقی رضوی (امریکہ)
۷۔ رئیس التحریر علامہ ارشد القادری رضوی (جمشید پور)
۸۔ مفتی اعظم مہاراشٹر مفتی غلام محمد رضوی (ناگپور)
۹۔ عارف حق علامہ شاہ تراب الحق قادری (کراچی)
۱۰۔ مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی رضوی (لندن)
۱۱۔ مفتی اعظم بنارس مفتی محمد یامین رضوی (بنارس)
۱۲۔ مفتی اعظم گجرات مفتی عزیز احسن رضوی (گجرات)
۱۳۔ شہزادۂ محبوب ملت علامہ منصور علی خاں محبوبی (ممبئی)
۱۴۔ مولانا احمد حسین برکاتی (نیپال)
۱۵۔ مفتی نقی امام علی خاں رضوی (حیدر آباد)

☆☆☆

حضرت امین شریعت کی نعتیہ شاعری

مولانا ڈاکٹر شفیق اجمل قادری

"۔۔۔۔۔۔اصناف شعر میں نعت سے زیادہ مقدس، نازک اور دشوار گزار کوئی دوسری صنف نہیں ہے۔اسی لیے فارسی شاعر عرفی کہتے ہیں "نعت لکھنا تلوار کے دھار پر چلنا ہے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ نعت میں ذرا سی چوک ایمان کو خارج کر دیتی ہے۔نعت گوئی میں فنی محاسن سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر شعر شریعت کی حدود میں رہ کر کہا گیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ اشعار شعری و ادبی اوصاف و محاسن کا مرقع ہو تو یہ شاعر کی قادر الکلامی کا واضح ثبوت ہوتا ہے۔اس نقطۂ نگاہ سے جب ہم حضرت امین شریعت کے اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں تو بجا طور پر ان کی قادر الکلامی اور ان کے ماہر زبان و فن ہونے کا بھرپور ثبوت فراہم کرتے ہیں۔حضرت امین شریعت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو والہانہ عقیدت و محبت ہے وہ ان کے اشعار میں نمایاں طور پر نظر آتے ہے۔انہوں نے نعتیہ شاعری برائے شاعری نہیں کی۔۔۔۔۔۔"

امین شریعت حضرت علامہ سبطین رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کا شمار دور حاضر کی ان مایہ ناز ہستیوں میں ہوتا تھا جو اپنے اسلاف کے علم وعمل، زہد وتقویٰ اور روحانی ورثے کے محافظ و امین تھے۔آپ کی ہمہ جہت شخصیت عامل سنیت، متبع شریعت، مرشد طریقت، پیکر اخلاق و کردار، رشد و ہدایت کے آفتاب، اخلاص و وفا کی روشن تفسیر اور عشق خدا ورسول سے آراستہ و مزین تھی۔آپ خانوادۂ رضویہ کے اہم رکن، استاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی قدس سرہ کے پوتے اور علامہ حسنین رضا بریلوی قدس سرہ کے فرزند ارجمند تھے۔

امین شریعت حضرت علامہ سبطین رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ اپنے جد امجد استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ اور ان کے برادر اکبر شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے فضل و کمال اور علم وعمل کے وارث و امین بھی تھے۔وہ ایسے ماحول کے پروردہ تھے جو علم و ادب کا گہوارہ تھا۔شاعری انہیں وراثت میں ملی تھی اور وہ شعر و شاعری سے پوری ذہنی مناسبت

رکھتے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک فطری شاعر تھے۔ حضرت امین شریعت کی حیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی کے خزانے میں وہ تمام جواہر پارے موجود ہیں جو ایک مکمل نعت کہنے کے لیے ضروری ہیں۔ جہاں علوم دینی و دنیوی کی گہرائی و گیرائی، فکری و ذہنی صلاحیت، فقیہانہ بصیرت، عالمانہ تبحر اور عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سبھی کچھ نظر آتے ہیں۔

اصناف شعر میں نعت سے زیادہ مقدس، نازک اور دشوار گزار کوئی دوسری صنف نہیں ہے۔ اسی لیے فارسی شاعر عرفی کہتے ہیں ''نعت لکھنا تلوار کے دھار پر چلنا ہے۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ نعت میں ذرا سی چوک ایمان کو خارج کر دیتی ہے۔ نعت گوئی میں فنی محاسن سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر شعر شریعت کی حدود میں رہ کر کہا گیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ اشعار شعری وادبی اوصاف و محاسن کا مرقع ہو تو یہ شاعر کی قادر الکلامی کا واضح ثبوت ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے جب ہم حضرت امین شریعت کے اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں تو بجا طور پر ان کی قادر الکلامی اور ان کے ماہر زبان وفن ہونے کا بھرپور ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ حضرت امین شریعت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو والہانہ عقیدت و محبت ہے وہ ان کے اشعار میں نمایاں طور پر نظر آتے ہے۔ انہوں نے نعتیہ شاعری برائے شاعری نہیں کی بلکہ جذبۂ بے اختیار شوق کے تحت کی ہے یہی وجہ ہے ان کا کلام عشق و عقیدت سے لبریز ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

جس شخص پر نگاہِ کرم ہو حضور کی
بارش ہو اس پہ رحمتِ ربِّ غفور کی

واہ کیا کہنا ہے جلوہ تیرے پر انوار کا
سوز باں سے مدح خواں ہے گل ترے رخسار کا

رشکِ عشاق بنوں عشقِ نبی میں یا رب
وہ ہے یکتا تو مجھے عشق میں یکتائی ہو

میں کیوں ٹھوکریں در بدر کھاؤں جا کر
مری آرزو تیرا در ڈھونڈتی ہے

بہار آئی ہے جنت کی مدینے کے بیاباں میں
شہا وہ گل ہو تم جس سے کہ ہے نکہت گلستاں میں

ان اشعار میں عقیدت کی فراوانی کے ساتھ ہی آسان اور سادہ الفاظ نے حد درجہ دلکشی پیدا کر دی ہے۔ یہ سادگی، حلاوت، نفاست، حسن، جاذبیت و دلکشی کوئی معمولی بات نہیں۔ حضرت امین شریعت کے نعتیہ کلام کا یہ وصف کسی سے چھپا نہیں رہ سکتا کہ اس میں نظریاتی اور اعتقادی بیانات ہی نہیں بلکہ عشق نبی کی ایسی تڑپ ہے جو قلبی تعلق کے بغیر ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک سچے عاشق رسول ہیں اور عشق صادق کا تقاضہ یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ اس کی منزل و قیام گاہ، در و دیوار، گنبد و مینار، گلی کوچے بلکہ اس کے گلزار، خاک و ذرات اور خار و گل سب کے ساتھ گہری عقیدت کا برملا اظہار بھی ہوتا رہے۔ حضرت امین شریعت کے اشعار میں اس امر کا خوب

التزام بھی نظر آتا ہے۔مثلاً وہ فرماتے ہیں:

خلد گلدستہ ہے اک شاہا ترے دربار کا
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے گلزار کا

خاکِ دربارِ محمد کا لگاؤ سرمہ
قلب میں نور ہو اور آنکھوں میں بینائی ہو

نعتیہ شاعری کا ایک اہم موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال پاک کی زیارت کی آرزو اور اشتیاق ہے۔حضرت امین شریعت بھی اپنے کلام میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تمنا بڑی ہی اضطرابی حالت میں کرتے ہیں:

حشر میں جب کہ دیدار ہو تو میں رقص کروں
میں تماشا بنوں مخلوق تماشائی ہو

جبکہ مرقد میں بھی سبطین کے مونس ہوں گے
اس کا کیا غم کہ مجھے قبر میں تنہائی ہو

شعروشاعری پر خاندانی ماحول کا اثر پڑنا لازمی ہے۔حضرت امین شریعت اس خاندان رضویہ کے چشم و چراغ ہیں جہاں امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی، استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں، حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں، والد ماجد حضرت علامہ حسنین رضا خاں اور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مصطفی رضا خاں نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم جیسے علم و فضل اور فن و ادب کے یکتائے روزگار ہوئے ہیں جن کے نعتیہ اشعار سے اردو زبان و ادب سرسبز و

"۔۔۔۔حضرت امین شریعت کے اشعار سے ان کے خلوص وصداقت، نبوی عشق و عقیدت، دینی و علمی دردمندی کا برملا اظہار ہوتا ہے۔جس طرح حضرت امین شریعت کی سادگی، کریم النفسی اور تواضع کے پردے میں ان کے علم و فضل، ان کی شخصی عظمت کی تجلیات بکھری پڑی ہیں۔اسی طرح ان کے زبان و بیان کی سادگی اور سلاست کے جلو میں ان کے فکر و خیال کی نزاکت و بلاغت کے جلوے بھی مچل رہے ہیں۔۔۔۔"

شاداب رہا ہے۔حضرت امین شریعت کے کلام میں ان کے خاندان کے بزرگوں کا رنگ و انداز نمایاں نظر آتا ہے۔چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

امام احمد رضا فاضل بریلوی

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

حضرت امین شریعت

ادائے فرض کر کے پھر گئے کعبے کے کعبہ کو
وہاں سے دولت کونین لے کر مرحبا آئے

حضرت استاذ زمن

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

حضرت امین شریعت

ہے دل میں میرے نقشۂ طیبہ کھنچا ہوا
خواہش بھلا ہو کیا مجھے حور و قصور کی

حضرت استاد زمن

نہ کیوں آرائشیں کرتا خدا دنیا کے ساماں میں
تمہیں دولہا بنا کر بھیجنا تھا بزمِ امکاں میں

حضرت امین شریعت

بہار آئی ہے جنت کی مدینے کے بیاباں میں
شہا وہ گل ہو تم جس سے کہ ہے نکہت گلستاں میں

حضرت استاد زمن

آستانہ پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو
اور اے جانِ جہاں تو بھی تماشائی ہو

حضرت امین شریعت

آستاں پہ اگر ناصیہ فرسائی ہو
تب تمنا دلِ سبطین کی بر آئی ہو

حضور مفتیٔ اعظم ہند

میں کیوں غیر کی ٹھوکریں کھانے جاؤں
تیرے در سے اپنا گزارا کروں میں

حضرت امین شریعت

میں کیوں دربدر ٹھوکریں کھاؤں جا کر
مری آرزو تیرا در ڈھونڈتی ہے

حضرت حسنین رضا خاں

نرغہ میں دشمنوں کے نہ چھوڑی حسین نے
کچھ وہ ہی جانتے تھے حقیقت نماز کی
ٹھنڈک دل و دماغ کی مضمر وضو میں تھی
تسکین قلب ہوگئی نیت نماز کی

حضرت امین شریعت

اللہ کو پسند ہے عادت نماز کی
محبوب ہے نبی کو جماعت نماز کی
چمکیں گے دست و پائے مصلیٰ بروز حشر
کھل جائے گی سبھی پہ کرامت نماز کی

حضرت امین شریعت کے ان اشعار میں بجا طور پر خاندانی رنگ وآہنگ نظر آتا ہے۔ حضرت امین شریعت کی ایک منقبت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی شان میں ملتی ہے جسے آپ نے حضور مفتی اعظم ہند کے حج بیت اللہ سے واپس تشریف لانے کے موقع پر تحریر فرمایا تھا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

مبارک رخصت ہو کے مصطفی سے مصطفی آئے
خدا کا شکر ہے کعبے سے مہمانِ خدا آئے

ادائے فرض کر کے پھر گئے کعبے کے
کعبہ کو وہاں سے دولت کونین لے کر مرحبا آئے

خدا کے فضل سے ذرے بھی اب پائیں گے تابانی
ضیائیں لے کے طیبہ سے ہمارے پیشوا آئے

اس کے علاوہ حضرت امین شریعت نے نماز کی اہمیت وافادیت اور اس کے فضائل پر ایک نظم بھی تحریر فرمائی ہے۔

حضرت امین شریعت تقویٰ وطہارت اور زہد وورع کی عظیم بلندی پر فائز ہیں۔ آپ متبع شریعت بھی ہیں اور پاسبان شریعت بھی۔ مذہب اسلام میں نماز کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اسی تناظر کے مدنظر حضرت امین شریعت نے نماز کے متعلق بڑے ہی ناصحانہ انداز میں یہ نظم تحریر فرمائی:

اللہ کو پسند ہے عادت نماز کی
محبوب ہے نبی کو جماعت نماز کی
ہے انبیاء میں ختم رسل کا جو مرتبہ
ویسی عبادتوں میں عبادت نماز کی
محشر میں سب سے پہلے جسے پوچھے گا خدا
وہ ہے عبادتوں میں عبادت نماز کی
فسوس تو یہی ہے کہ دنیا بدل گئی
کس کو بتائیں کیا ہے حقیقت نماز کی

حضرت امین شریعت کے اشعار سے ان کے خلوص و صداقت، نبوی عشق وعقیدت، دینی وعلمی دردمندی کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت امین شریعت کی سادگی، کریم النفسی اور تواضع کے پردے میں ان کے علم وفضل، ان کی شخصی عظمت کی تجلیات بکھری پڑی ہیں۔ اسی طرح ان کے زبان وبیان کی سادگی اور سلاست کے جلو میں ان کے فکرو خیال کی نزاکت وبلاغت کے جلوے بھی مچل رہے ہیں۔

جس طرح کلام کو لفظی ومعنوی محاسن سے مزین کرنے کی غیر معمولی رموز وعلامات ہیں اسی طرح کلام کا حسن اور شاعری کا جمال صنائع و بدائع کے موزوں استعمال سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت امین شریعت نے بڑے ہی سلیقے سے اس کا استعمال کیا ہے جس سے کلام میں حسن اور نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

روئے عالم تاب شاید بے نقاب ہونے کو ہے
چہرۂ خورشید کو بھی جس نے پیلا کر دیا
(صنعت حسن تعلیل)

ترے کوچہ میں مرنا جب حیاتِ جاودانی ہے
تو کیا مجنوں ہوں میں جو جان دوں جا کر بیاباں میں
(صنعت تضاد)

قمر کو شق کیا خورشید تم نے پھیر دیا
فلک یہ چل گئے سکے تیری حکومت کے
(صنعت تلمیح)

یہ کیسی رحمتوں کی بدلیاں چھائی زمانے پر
زیارت کر کے شاید مصطفیٰ کی مصطفیٰ آئے
(صنعت تجنیس)

بہار آئی ہے جنت کی مدینے کے بیاباں میں
شہا وہ گل ہو تم جس سے کہ ہے نکہت گلستاں میں
(استعارہ)

ابھی تک حضور امین شریعت کا کوئی شعری مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کہ زیادہ سے زیادہ کلام تلاش کر کے جمع کیے جائیں تا کہ دنیائے شعر وادب پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کے جس طرح خانوادۂ رضویہ کے بزرگوں نے اردو زبان وادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں اسی پاکیزہ روایت کی حضرت امین شریعت نے بھی آبیاری کی ہے۔

تاج الشریعہ کے اردو کلام میں محاوروں کا استعمال

محمد کاشف رضا شادؔ مصباحی ایم۔اے،ایم فل ریسرچ اسکالر:گل برگہ یونیورسٹی۔گل برگہ

''۔۔۔۔نظم ہو یا نثر محاورے کا استعمال اس کی اہمیت و معنویت بڑھا دیتا ہے اور اسے فصاحت وبلاغت عطا کرتا ہے کیوں کہ جس بات کو کہنے کے لیے صفحات درکار تھے اسے ایک محاورے نے چند الفاظ کے کوزے میں بند کرلیا۔دیگر زبان کی طرح اردو زبان وادب بھی محاروں کی دولت سے مالا مال ہے۔اردو کے سبھی محاورے قواعد کے لحاظ علامت مصدری نا پر ہی ختم ہوتے ہیں نثر میں اس کا بعینہ استعمال تو ممکن ہے لیکن نظم میں قدرے دشوار ہے اس لیے نظم میں محاوروں کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے لیکن اس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔بقول علامہ ادریس رضوی۔۔۔۔''

محاورہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آتے ہیں ۔بول چال،بات چیت،باہم بات کرنا وغیرہ۔اور اصطلاحاً ''وہ کلمہ یا کلام جسے معتبر لوگوں نے لغوی معانی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص معنی کے لیے مخصوص کرلیا ہو۔''[اردو ڈکشنری۔آن لائن]یعنی وہ کلمہ یا کلام اپنے معنی حقیقی کے بجائے معنی مجازی میں استعمال کیا گیا ہو۔حبیب محمد بن عبداللہ رفیع المرغنی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

''محاورے کا استعمال زبان میں استعاراتی انداز میں ہوتا ہے یعنی محاورے کے الفاظ اکثر مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً پاؤں توڑ کے بیٹھ جانا۔مایوس ہوجانا،ہمت ہار جانا ،کوشش نہ کرنا کے معنی میں لکھا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہاں پاؤں توڑنا اپنے اصل معنی نہیں رکھتا ہے۔اسی طرح عقل کے گھوڑے دوڑانا۔فکر وتدبر کرنا،سوچ بچار کرنا کو گھوڑے دوڑانے سے لغوی نسبت نہیں ہے۔البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ محاروں کے الفاظ سے ان کے اصل معانی کا واضح اشارہ ملتا ہے جیسے پاؤں کا ٹوٹ جانا معذوری اور عقل کے گھوڑے دوڑانا سوچ کی تیز رفتاری پر دلالت کرتا ہے''

[روز نامہ ''انقلاب دکن''، گل برگہ ۲۸/اگست ۲۰۱۶ء]

نظم ہو یا نثر محاورے کا استعمال اس کی اہمیت و معنویت بڑھا دیتا ہے اور اسے فصاحت و بلاغت عطا کرتا ہے کیوں کہ جس بات کو کہنے کے لیے صفحات درکار تھے اسے ایک محاورے نے چند الفاظ کے کوزے میں بند کرلیا۔ دیگر زبان کی طرح اردو زبان وادب بھی محاروں کی دولت سے مالا مال ہے۔ اردو کے سبھی محاورے قواعد کے لحاظ علامت مصدری نا پر ہی ختم ہوتے ہیں نثر میں اس کا بعینہ استعمال تو ممکن ہے لیکن نظم میں قدرے دشوار ہے اس لیے نظم میں محاوروں کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے لیکن اس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بقول علامہ ادریس رضوی۔

''نثر میں یہ سب من وعن استعمال ہوجاتے ہیں
لیکن نظم میں اس کے حصے بکھرے ہوجاتے ہیں
مثال کے طور پر ''ہتھیلی پر جان لیے پھرنا'' محاورہ
ہے مگر شعر میں اس کا سالم استعمال ہونا مشکل ہے
تو اب اس کے الفاظ آگے پیچھے ہوسکتے ہیں اور
یہ روایت زمانہ قدیم سے ادبا وشعرا کے یہاں
قائم ہے۔ اہل زبان اور اہل علم نے اسے قبول کیا
ہے'' [کلام راہی اور صنائع وبدائع۔ ص ۱۵۶]

محاورہ اپنے معنی کو بیان کرنے میں مکمل فقرہ نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ الحاقی عبارت یا ضمائر وغیرہ کی طرف محتاج ہوتا ہے اسی لیے اشعار میں محاورے تقدیم وتاخیر اور الحاقی عبارت یا ضمائر میں، تو وغیرہ کے ساتھ ہی استعمال ہوتے ہیں ۔شاعر کا اپنے کلام میں محاوروں کا استعمال کرنا زبان و بیان پر اس کے مضبوط گرفت کی دلیل ہے۔ تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری علیہ الرحمہ [ولادت: ۱۹۴۲ء بریلی وفات ۲۰۱۸ء بریلی] کی شناخت خانوادۂ رضویہ کے ایک بزرگ اور علمی فرد کی حیثیت سے ہے ان کی شاعری پر نظر ڈالی جائے تو جہاں ایک طرف ان کی علمی وفکری ندرت نکھر کر سامنے آتی ہے وہیں زبان و بیان اور محاروں پر ان کی گرفت بھی آشکارا ہوجاتی ہے میں نے اس مضمون میں آپ کے کلام میں محاروں کی تلاش کی ہے جس سے ان کی شاعری کی لسانی اہمیت ومعنویت سامنے آتی ہے۔

الف ممدودہ

(۱) آشیاں بنانا (یا باندھنا): گھونسلہ بنانا

شاخ گل پر ہی بنائیں گے عنادل آشیاں
برق سے کہہ دو کہ ہم سے ضد تری اچھی نہیں

''آشیاں بنانا'' اور ''آشیاں باندھنا'' دونوں محاورہ کے طور پر مستعمل ہیں زیادہ لغات میں ''آشیاں باندھنا'' ہی لکھا گیا ہے لیکن بعض لغات میں ''آشیاں بنانا'' بھی درج ہے اور ''آشیاں بنانا'' ہی زیادہ معروف ہے دونوں کے معانی یکساں ہیں۔ استاد شعرا کے کلام میں دونوں مستعمل بھی ہیں اور اکثر نے ''آشیاں بنانا'' ہی استعمال کیا ہے بطور حوالہ ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر دیکھیں ڈاکٹر اقبال نے اپنے شعر میں ''آشیاں بنانا'' اور آشیاں باندھنا'' دونوں استعمال کیا ہے۔

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

(بانگ درا)

ہاں، اسی شاخ کہن پر پھر بنا لے آشیاں
اہل گلشن کو شہید نغمہ مستانہ کر

(بانگ درا)

کہاں اقبال تو نے آ بنایا آشیاں اپنا
نوا اس باغ میں بلبل کو ہے ساماں رسوائی

(بانگ درا)

بلبل دلی نے باندھا اس چمن میں آشیاں
ہم نوا ہیں سب عنادل باغ ہستی کے جہاں

(بانگ درا) لے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بیانا
بلبل نے کیا سمجھ کر یاں آشیاں بنایا

(کلیات میر، دیوان دوم)

(۲) آگے جانا: (۱) آگے بڑھنا (۲) رستہ بتانا۔ رہنمائی کرنا (۳) سبقت لے جانا

خلد زار طیبہ کا اس طرح سفر ہوتا
پیچھے پیچھے سر جاتا آگے آگے دل جاتا

(۳) آنکھ اٹھا کر دیکھنا (۱) نظر بھر کر دیکھنا۔ (۲) نظر ملا کر دیکھنا۔ (۳) التفات کی نظر سے دیکھنا۔ توجہ کرنا

آنکھ اٹھا کر تو ذرا دیکھ مرے دل کی طرف
تیری یادوں کا چمن دل میں سجایا ہوگا

(۴) آنکھ لگ جانا رلگنا: نیند آنا (۲) عاشق ہو جانا۔ محبت ہو جانا

میں مروں تو میرے مولیٰ یہ ملائکہ سے کہہ دیں
کوئی اس کو مت جگانا ابھی آنکھ لگ گئی ہے

(۵) آنکھیں بچھانا: بڑی خاطر ومدارات کرنا۔ نہایت تعظیم وتکریم کرنا

اس طرف بھی دو قدم جلوے خرام ناز کے
رہ گزر میں ہم بھی ہیں آنکھیں بچھائے خیر سے

فرش آنکھوں کا بچھاؤ رہ گزر میں عاشقو!
ان کے نقش پا سے ہو گئے مظہر شان جمال

(۷) آنکھوں میں بسنا: آنکھ میں سمانا۔ بھانا۔ پسند آنا

ہند کا جنگل مجھے بھاتا نہیں
بس گئی آنکھوں میں طیبہ کی زمیں

(۸) آئینہ کردینا: (۱) بالکل صاف کردینا۔ چمکا دینا (۲) ظاہر کردینا

تبسم سے گماں گزرے شب تاریک پر دن کا
ضیاء رخ سے دیواروں کو روشن آئینہ کردیں

الف مقصورہ

(۹) اپنا بنانا: طرف دار بنانا۔ دوست بنانا (۲) رشتہ جوڑنا۔ کسی چیز کو اپنی ملکیت قرار دینا (۳) فریفتہ بنانا۔ دلدادہ بنانا

قید شیطاں سے چھڑاؤ تو بہت اچھا ہو
مجھ کو اپنا جو بناؤ تو بہت اچھا ہو

ب

(۱۰) بدل جانا: اور کا اور ہو جانا۔ پھر جانا۔ تبدیل ہو جانا۔ وعدہ خلافی کرنا۔ مکرنا

موج کترا کے ہم سے چلی جائے گی رخ مخالف ہوا کا بدل جائے گا
جب اشارہ کریں گے میرے ناخدا اپنا بیڑا بھنور سے نکل جائے گا

یہ میری دوری بدل جائے قرب سے اختؔر
اگر وہ چاہیں تو میں باریاب ہو جاؤں

(۱۱) بگڑی بنانا: خراب معاملہ سدھارنا

اپنے در پہ جو بلاؤ تو بہت اچھا ہو
میری بگڑی جو بناؤ تو بہت اچھا ہو

(۱۲) بگڑی بن جانا: خراب حالت کا درست ہو جانا

جہاں کی بگڑی اسی آستاں پہ بنتی ہے
میں کیوں نہ وقف در آنجناب ہو جاؤں

(۱۳) بھول جانا: یاد سے اتر جانا۔ خیال نہ رہنا۔ فراموش ہو جانا

بھول جائے جسے پی کر غم دوراں اختؔر
ساقیٔ کوثر و تسنیم وہ صہبا دے دو

پ

(۱۴) پار ہو جانا / پار ہونا: عبور کرنا۔ (۲) دریا سے اتر جانا (۳) کسی چیز سے گزرنا (۴) توڑ کر نکل جانا (۵) کام ہو جانا۔ مراد پا جانا (۶) ختم ہو جانا۔۔۔ (۸) چلا جانا۔ بھاگ جانا

تمہارا نام لیا ہے تلاطم غم میں
میں اب تو پار رسالت مآب ہو جاؤں

(۱۵) پاؤں پھسلنا: (۱) قدم ڈگمگانا۔ لغزش ہونا۔ (۲) لالچ آنا۔ جی چاہنا۔ خواہش کرنا

رب سلم وہ فرمانے والے ملے کیوں ستاتے ہیں اے دل تجھے وسوسے
پل سے گزریں گے وجد کرتے ہوئے کون کہتا ہے پاؤں پھسل جائے گا

(۱۶) پسینہ آنا: عرق آنا۔ نمی یا بخارات کا خارج ہونا۔ شرمندہ ہونا

اس تجلی کے سامنے اختؔر
گل کو آنے لگے پسینے سے

ت

(۱۷) تاب نہ لانا: برداشت نہ کر سکنا۔ گھبرا جانا

یہ ان کے جلوے کی تھیں گرمیاں شب اسریٰ
نہ لائے تاب نظر بھکے دید ہائے فلک

(۱۸) ترس کھانا: رحم کرنا

ترس کھاؤ میری تشنہ لبی پر
مری پیاس اور اک جام! کم ہے

(۱۹) تھپکی دینا: حریف کے ہتھیار پر اس طرح ہاتھ سے ضرب لگانا کہ ہتھیار پٹ پڑے (۲) کسی کے ماتھے پر ہتھیلی سے ضرب لگانا۔ (۳) چمکارنا

تری یاد تھپکی دے کر مجھے اب شہا سلا دے
مجھے جاگتے ہوئے یوں بڑی دیر ہو گئی ہے

ج

(۲۰) جگہ ہونا: گنجائش ہونا۔ موقع ہونا

خاک طیبہ میں اپنی جگہ ہو گئی
خوب مژدہ سنایا خوشی نے چلیں

(۲۱) جہاں سے اٹھ جانا / جہاں سے گزر جانا: مر جانا

اٹھا جو اختر خستہ جہاں سے کیا غم ہے
مجھے بتاؤ عزیزو! کسے ممات نہیں

(۲۲) جیتے جی مر جانا: تباہ ہو جانا۔ برباد ہو جانا (۲) سخت ترین صدمہ یا رنج پہنچا (۳) بے فیض ہونا۔ فائدہ نہ پہنچنا (۴) زندگی ہی میں چھوٹ جانا (۵) کسی کام کا نہ رہنا۔ قدرتی صلاحیتوں سے محرومی۔

فرقت طیبہ کے ہاتھوں جیتے جی مردہ ہوئے
موت یا رب ہم کو طیبہ میں جلائے خیر سے

چ

(۳۲) چراغ گل ہونا: چراغ بجھنا۔ گھر تباہ ہونا

گل ہو جب اختر خستہ کا چراغ ہستی
اس کی آنکھوں میں تیرا جلوۂ زیبائی ہو

(۲۴) چل دینا: رفو چکر ہو جانا۔ بھاگ جانا (۲) فوت ہو جانا

بے تکلف شہ دوجہاں چل دیئے
سادگی سے کہا جب کسی نے چلیں

اگلے پچھلے سبھی خلد میں چل دیئے
روز محشر کہا جب نبی نے چلیں
اختر خستہ بھی خلد میں چل دیئے
جب صدا دی اسے مرشدی نے چلیں

چل دیئے تم آنکھ میں اشکوں کا دریا چھوڑ کر
رنج و فرقت کا ہر اک سینہ میں شعلہ چھوڑ کر

لذت مے لے گیا وہ جام و مینا چھوڑ کر
میرا ساقی چل دیا خود مے کو تشنہ چھوڑ کر

(۲۵) چیں بر جبیں ہونا: تیوری پر بل ڈالنا۔ ماتھے پر شکن ڈالنا۔ ناراض ہونا

میں وصف ماہ طیبہ کر رہا ہوں
بلا سے گر کوئی چیں بر جبیں ہے

ح

(۲۵) حسرت آنا: آرزو ہونا۔ افسوس آنا

چاندنی رات میں پھر مے کا وہ اک دور چلے
بزم افلاک کو بھی حسرت مے آئی ہو

چلا دور ساغر مے ناب چھلکی
رہے تشنہ کیوں بادہ خوار مدینہ

یہ مجھ سے کہتی ہے دل کی دھڑکن کہ دست ساقی سے جام لے لے
وہ دور ساغر چل رہا ہے شراب رنگیں چھلک رہی ہے

خ

(۲۶) خاک میں ملنا: (۱) تلف ہونا۔ ضائع ہونا (۲) دفن ہونا (۳) پریشان ہونا۔ برباد ہونا

میرا دم نکل جاتا ان کے آستانے پر
ان کے آستانے کی خاک میں میں مل جاتا

(۲۷) خاک ہونا/خاک ہو جانا: مل کر مٹی ہو جانا۔ بوسیدہ ہو جانا۔ کچھ نہ ہونا۔ تباہ ہونا۔ برباد ہونا

خاک طیبہ کی طلب میں خاک ہو یہ زندگی
خاک طیبہ اچھی اپنی زندگی اچھی نہیں

(۲۸) خالی پھر دینا: محروم واپس کر دینا۔ کچھ نہ دینا

وہ جہاں بھر کے داتا مجھے پھیر دیں گے خالی
مری توبہ اے خدا! یہ مرے نفس کی بدی ہے

(۲۹) خواب ہوجانا: خیال سے جاتا رہنا۔ محض وہمی ہوجانا۔ گزرے دنوں کی یاد آنا

مری حقیقت فانی بھی کچھ حقیقت ہے
مروں تو آج خیال اور خواب ہو جاؤں

(۳۰) خون رلانا: انتہا سے زیادہ رلانا۔ خون کے آنسو رلانا۔ بہت ستانا

جب بھی ہم نے غم جاناں کو بھلایا ہوگا
غم ہستی نے ہمیں خون رلایا ہوگا

د

(۳۱) درپے ہونا: پیچھا کرنا۔ گھات میں ہونا

درپے شرارت یارسول اللہ
کفر کی جماعت یارسول اللہ
ناتواں ہے امت یارسول اللہ
کیجیے حمایت یارسول اللہ

(۳۲) در در پھرنا: دنیا بھر میں مارا مارا پھرنا

یوں نہ اختر کو پھراؤ مرے مولیٰ در در
اپنی چوکھٹ پہ بٹھاؤ تو بہت اچھا ہو

اختر خستہ عبث در در پھرا کرتا ہے تو
جز در احمد کہیں سے مدعا ملتا نہیں

(۳۳) دل پھر جانا (پھرنا) بیزار ہونا۔ کراہت ہونا

مرے دل پھر جائیں یارب! شب وہ آئے خیر سے
دل میں جب ماہ مدینہ گھر بنائے خیر سے

(۳۴) دل جانا: عاشق ہونا

وہ خرام فرماتے میرے دیدہ و دل پر
دیدہ میں فدا کرتا صدقے میرا دل جاتا

(۳۵) دل جلانا: سخت رنج دینا (۲) رشک دلانا۔ رنج اٹھانا

ذکر سرکار بھی کیا آگ ہے جس سے سنی
بیٹھے بیٹھے دل نجدی کو جلا جاتے ہیں

(۳۶) دل جھکنا: مائل ہونا

در پہ دل جھکا ہوتا اذن پا کے پھر بڑھا ہوتا
ہر گناہ یاد آتا دل خجل خجل جاتا

(۳۷) دل کی کہنا: صاف بات ظاہر کر دینا (۲) وہ بات جو دوسروں کے دل میں ہو بتا دینا۔

یہ بات مجھ مرے دل کی کہہ گیا زاہد
بہار خلد بریں ہے بہار طیبہ سے

(۳۸) دم نکل جانا: (۱) جان نکلنا (۲) نزع میں ہونا (۳) ڈر جانا

میرا دم نکل جاتا ان کے آستانے پر
ان کے آستانے کی خاک میں میں مل جاتا

یوں تو جیتا ہوں حکم خدا سے مگر میرے دل کی ہے ان کو یقینا خبر
حاصل زندگی ہوگا وہ دن مرا ان کے قدموں پر جب دم نکل جائے گا

(۳۹) دور چلنا: شراب کا باری باری ہر ایک کے روبرو آنا

چاندنی رات میں پھرے کا وہ اک دور چلے
بزم افلاک کو بھی حسرت مے آئی ہو

چلا دور ساغر مے ناب چھلکی
رہے تشنہ کیوں بادہ خوار مدینہ

یہ مجھ سے کہتی ہے دل کی دھڑکن کہ دست ساقی سے جام لے لے
وہ دور ساغر چل رہا ہے شراب رنگیں چھلک رہی ہے

(۴۰) دہل جانا: ڈر جانا۔ رعب کھا جانا

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن خوف سے ہر کلیجہ دہل جائے گا
پر یہ ناز ان کے بندے کا دیکھیں گے سب تھام کر ان کا دامن مچل جائے گا

(۴۱) دھوم مچانا: شور کرنا۔ غل کرنا (۲) فریاد کرنا

شام تنہائی بنے رشک ہزاراں انجمن
یاد جاناں دل میں یوں دھومیں مچائے خیر سے

ڈ

(۴۲) ڈوب جانا: غرق ہوجانا۔ دریا میں بہہ جانا
(۲) غائب ہوجانا (۳) روپیہ ضائع ہوجانا (۴) تباہ و برباد ہوجانا۔ (۵) رسوا ہونا۔ ناکام ہونا

ڈوب جائے نہ کہیں غم میں ہمارے عالم
ہم جو رو دیں گے تو بہتا ہوا دریا ہوگا

ر

(۴۳) راستہ دکھانا: راہ بتانا۔ راہنمائی کرنا (۲) انتظار کرنا

بھٹکتا یوں پھرے کب تک تمہارا اختر خستہ
دکھا دو راستہ اس کو خدارا شہر الفت کا

(۴۴) روشن ہوجانا: ظاہر ہوجانا۔ نتیجہ نکل آنا

خلائق پر ہوئی روشن ازل سے یہ حقیقت ہے
دو عالم میں تمہاری سلطنت ہے بادشاہت ہے

ز

(۴۵) زمیں کو آسماں کر دینا

جہاں میں ان کی چلتی ہے وہ دم میں کیا سے کیا کر دیں
زمیں کو آسماں کر دیں ثریا کو ثرا کر دیں

میرے خیال میں ''ثریا کو ثرا کر دینا'' کو بھی محاورہ تسلیم کر لینا چاہیے

س

(۴۶) سائے میں آنا: چھاؤں میں آنا (۲) پناہ یا سرپرستی حاصل کرنا

کرم سے اس کمینے کی بھی ولی لاج رکھ لینا
ترا اختر ترے سایہ میں شاہ دو جہاں آئے

(۴۷) سر جھکانا: اطاعت یا فرماں برداری کرنا۔ (۲) شرمندہ ہونا۔ غیرت محسوس کرنا (۳) عاجزی ظاہر کرنا

تیری چوکھٹ پہ جو سر اپنا جھکا جاتے ہیں
ہر بلندی کو وہی نیچا دکھا جاتے ہیں

(۴۸) سہارا دینا: مدد کرنا۔ تھامنا (۲) ٹیک یا آڑ داڑ لگانا

شوق طیبہ نے جس دم سہارا دیا
چل دیئے ہم کہا بے کسی نے چلیں

غرق ہوتی ہوئی ناؤ کو سہارا دے دو
موج تھم جائے خدارا ایسے اشارہ دے دو

ش

(۴۹) شور اٹھنا: غل ہونا۔ شور ہونا

اٹھے شور مبارکباد ان سے جا ملا اختر
غم جاناں میں کس درجہ حسین انجام فرقت ہے

ص

(۵۰) صدقہ اتارنا/صدقہ دینا: اتار دینا یا اتارنا۔ خیرات کرنا۔ قربان دینا

لب جاں بخش کا صدقہ دے دو
مژدۂ عیش ابد جان مسیحا دے دو

(۵۱) صدقے جانا: قربان ہونا۔ واری جانا۔ تصدق ہونا

میری خلوت میں مزے انجمن آرائی کے
صدقے جاؤں میں انیس شب تنہائی کے

(۵۲) صدمے اٹھانا: نقصان اٹھانا۔ (۲) رنج اٹھانا

آسماں تجھ سے اٹھائے نہ اٹھیں گے سن لے
ہجر کے صدمے جو عشاق اٹھا جاتے ہیں

نہ جانے کس قدر صدمے اٹھائے راہ الفت میں
نہیں جاتی مگر دل کی وہ نادانی نہیں جاتی

ع

(۵۳) عام کر دینا: مشہور کر دینا۔ مشتہر کر دینا

جہاں میں عام پیغام شہ احمد رضا کر دیں
پلٹ کر پیچھے دیکھیں پھر سے تجدید وفا کر دیں

غ

(۵۴) غبار اٹھنا: زمین سے گرد کا بلند ہونا (۲) آندھی آنا۔ آندھی اٹھنا (۳) ملال دور ہو جانا۔ تعلقات کا بحال ہو جانا

نہالیں گنہ گار ابر کرم میں
اٹھا دیکھے وہ غبار مدینہ

ف

(۵۵) فدا کرنا: قربان کرنا۔ تصدق کرنا۔ وارنا۔ نثار کرنا۔ چھڑکنا

نبی سے جو ہو بیگانہ اسے دل سے جدا کر دیں
پدر، مادر، برادر، مال و جاں ان پر فدا کر دیں

وہ خرام فرماتے میرے دیدہ و دل پر
دیدہ میں فدا کرتا صدقے میرا دل جاتا

(۵۶) فریب کھانا/فریب میں آنا: دھوکہ کھانا۔ جال میں پھنسنا

جہاں کے قوس قزح سے فریب کھائے کیوں
میں اپنے قلب و نظر کا حجاب ہو جاؤں

نہ جانے کتنے فریب کھائے راہ الفت میں ہم نے اختر
پر اپنی مت کو بھی کیا کریں ہم فریب کھا کر بہک رہی ہے

(۵۷) فنا کرنا: کھونا۔ برباد کرنا۔ مٹانا۔ نیست و نابود کرنا

عطا ہو بیخودی مجھ کو خودی میری ہوا کر دیں
مجھے یوں اپنی الفت میں مرے مولیٰ فنا کر دیں

(۵۸) فنا ہو جانا: مٹ جانا۔ (۲) کنایۃً عاشق ہو جانا

میرے دل سے دھل جاتا داغ فرقت طیبہ
طیبہ میں فنا ہو کر طیبہ میں ہی مل جاتا

ک

(۵۹) کاٹے نہ کٹنا: دوبھر ہونا۔ اجیرن ہونا۔ کٹھن اور سخت ہونا۔ کسی طرح تمام نہ ہونا

کروں اختر شماری انتظار صبح میں کب تک
الٰہی ہے یہ کیسی رات کہ کاٹے نہیں کٹتی

(۶۰) کانپ جانا: خوف سے تھرا جانا۔ (۲) جاڑے سے کپکپی چھوٹ جانا

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن
خوف سے ہر کلیجہ دہل جائے گا
پر یہ ناز ان کے بندے کا دیکھیں
گے سب تھام کر ان کا دامن مچل جائے گا

(۶۱) کروٹ لینا: رخ بدلنا (۲) منہ پھیر لینا (۳) انقلاب اختیار کرنا

تجسس کروٹیں کیوں لے رہا ہے قلب مضطر میں
مدینہ سامنے ہے بس ابھی پہنچا میں دم بھر میں

(۶۲) کھل جانا: شگفتہ ہو جانا۔ خوش ہو جانا

گل طیبہ میں مل جاؤں گلوں میں مل کے کھل جاؤں
حیات جاودانی سے مجھے یوں آشنا کر دیں

(۶۳) کھل جانا: شگفتہ ہو جانا۔ خوش ہو جانا

دل پہ جب کرن پڑتی ان کے سبز گنبد کی
اس کی سبز رنگت سے باغ بن کے کھل جاتا

میرے دل میں بس جاتا جلوہ زار طیبہ کا
داغ فرقت طیبہ پھول بن کے کھل جاتا

(۶۴) کنارہ کرنا: علیحدگی اختیار کرنا۔ الگ ہونا۔ چھوڑ دینا۔ باز آنا۔ گوشہ نشیں ہونا۔ دست بردار ہونا۔ بچنا

نہ فیض راہ محبت میں تو نے کچھ پایا
کنارا کیوں نہیں کرتا تو اہل دنیا سے

طلب گار مدینہ تک مدینہ خود ہی آ جائے
تو دنیا سے کنارہ کر مدینہ آنے والا ہے

(۶۵) کلی چٹکنا۔ (پھولنا۔ کھلنا): غنچہ کا شگفتہ ہونا۔ پھول کھلنا (۲) فرحت دل اور انبساط خاطر۔ خوشی ہونا

گلوں کی خوشبو مہک رہی ہے دلوں کی کلیاں چٹک رہی ہیں
نگاہیں اٹھ اٹھ کے جھک رہی ہیں کہ ایک بجلی چمک رہی ہے

گ

(۶۶) گمان گزرنا: شک ہونا۔ شبہ ہونا۔ خیال میں آنا

تبسم سے گماں گزرے شب تاریک پر دن کا
ضیاء رخ سے دیواروں کو روشن آئینہ کر دیں

(۶۷) گلے ملنا: (۱) ہم آغوش ہونا۔ گلے لگنا (۲) صفائی کرنا۔ سلوک کرنا (۳) ملاقات کرنا

موت لے کے آ جاتی زندگی مدینے میں
موت سے گلے مل کر زندگی میں مل جاتا

(۶۸) گھٹا جھومتی آنا: گھٹا کا چاروں طرف سے گھرنا

اٹھاؤ بادہ کشو! ساغر شراب کہن
وہ دیکھو جھوم کے آئی گھٹا مدینے سے

(۶۹) گھٹا چھانا: ابر گھرنا۔ بادل گھرنا۔ ابر کا آسمان پر محیط ہونا

موسم ے ہو وہ گیسو کی گھٹا چھائی ہو
چشم ے گوں سے پئیں سے جلسہ صہبائی ہو

عرصہ حشر میں کھلی ان کی وہ زلف عنبریں
مینہ وہ کر گرا چھائی وہ دیکھئے گھٹا

وہ چھائی گھٹا بادہ بار مدینہ
پئے جھوم کر جاں نثار مدینہ

ل

(۷۰) لاج رکھنا: آبرو بہ بگڑنے دینا۔ عزت بچانا۔ شرم رکھنا

کرم سے اس کمینے کی بھی ولی لاج رکھ لینا
ترا اختر ترے سایہ میں شاہ دو جہاں آئے

(۷۱) لو لگانا: تصور باندھنا۔ خیال باندھنا۔ توجہ دینا۔ رجوع ہونا۔ ہر وقت دھیان لگانا۔ (۲) عشق کرنا۔ دل لگانا۔ عاشق ہونا (۳) خواہش کرنا۔ آرزومند ہونا

اختر خستہ کیوں اتنا بے چین ہے تیرا آقا شہنشاہ کونین ہے
لو لگا تو سہی شاہ لولاک سے غم مسرت کے سانچے میں ڈھل جائے گا

مجھے کیا پڑی کسی سے کروں عرض مدعا میں
مری لو تو بس انہیں کے در جود سے لگی ہے

کب سے بیٹھے ہیں لگائے لو در جاناں پہ ہم
ہائے کب تک دید کو ترسیں فدایانِ جمال

لو لگا تا کیوں نہیں باب شہ کونین سے
ہاتھ اٹھا کر دیکھ تو پھر ان سے کیا ملتا نہیں

اختر لگائیے لو نبی کریم سے
کیا فکر اہل دنیا جو ستارے بدل گئے

م

(۷۲) مچل جانا [پڑنا]: مچلنا۔ ضد پر آ جانا۔ اڑ جانا

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن خوف سے ہر کلیجہ دہل جائے گا
پر یہ ناز ان کے بندے کا دیکھیں گے سب تھام کر ان کا دامن مچل جائے گا

(۷۳) مردے جلانا: مردے زندہ کرنا

تم تو مردوں کو جلا دیتے ہو میرے آقا
میرے دل کو بھی جلاؤ تو بہت اچھا ہو

(۷۴) مزے لینا: لطف حاصل کرنا۔ ذائقہ چکھنا

دشت طیبہ میں گما دے مجھے اے جوش جنوں
خوب لینے دے مزے بادیہ پیمائی کے

(۷۵) مژدہ سنانا: خوشخبری لا کر دینا

خاک طیبہ میں اپنی جگہ ہوگئی
خوب مژدہ سنایا خوشی نے چلیں

(۷۶) مل جانا: (۱) اجڑ جانا۔ پیوستہ ہو جانا۔ (۲) صلح

وصفائی ہو جانا(۳)شامل ہوجانا۔شریک ہوجانا۔(۴)دوچار ہونا۔ملاقات ہونا۔(۵)حاصل ہونا۔وصول ہوجانا

گل طیبہ میں مل جاؤں گلوں میں مل کے کھل جاؤں
حیات جاودانی سے مجھے یوں آشنا کردیں

میرے دل سے دھل جاتا داغ فرقت طیبہ
طیبہ میں فنا ہوکر طیبہ میں ہی مل جاتا
موت لے کے آجاتی زندگی مدینے میں
موت سے گلے مل کر زندگی میں مل جاتا

(۷۷)منہ کے بل گرنا:اس طرح گرنا کہ چہرہ زمین پر لگے۔ذلت اٹھانا۔ذلیل ہونا

کرکے دعویٰ ہمسری کا کیسے منہ کے بل گرا
مٹ گیا وہ جس نے کی توہین سلطان جمال

(۷۸)منہ موڑنا:منہ ہٹانا۔روگرداں ہونا۔کسی کے شریک حال نہ ہونا۔پہلوتہی کرنا(۲)رخ نہ دینا۔توجہ نہ کرنا(۳)باغی ہونا(۴)پرہیز کرنا۔باز رہنا(۵)انکار کرنا۔(۶)شکست کھانا۔پسپا ہونا(۷)بے وفائی کرنا۔ٹالنا۔بے مروتی کرنا

جان گلشن نے ہم سے منہ موڑا
اب کہاں وہ بہار کا عالم

(۷۹)منہ نکل آنا:لاغر ہوجانا۔چہرہ کمزور ہوجانا

جو بے پردہ نظر آجائے جلوہ روئے انور
ذرا سا منہ نکل آئے ابھی خورشید خاور کا

(۸۰)موج آنا:لہر آنا۔ترنگ اٹھنا(۲)شادابی اور سرسبزی ہونا(۳)خیال آجانا۔دھن بندھنا

تلاطم ہے یہ کیسا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں
یہ کیسی موجیں آئی ہیں تمنا کے سمندر میں

ن

(۸۱)ناز کرنا:نخرے کرنا۔لاڈ کرنا۔(۲)اترانا۔غرور کرنا(۳)فخر کرنا

شجاعت ناز کرتی ہے جلالت ناز کرتی ہے
وہ سلطان زماں ہیں ان پہ شوکت ناز کرتی ہے

(۸۲)نام لینا:نام زبان پر لانا(۲)نام رٹنا۔نام جپنا(۴)تعریف کرنا۔گن گانا(۵)کسی کا ذکر کرنا(۶)واسطہ دینا

تمہارا نام لیا ہے تلاطم غم میں
میں اب تو پار رسالت مآب ہوجاؤں

(۸۳)نکل جانا:چلا جانا۔بھاگ جانا(۲)دور ہوجانا(۳)جاتا رہنا۔زائل ہوجانا(۴)سبقت لے جانا۔آگے بڑھ جانا(۵)کپڑے کا پھٹ جانا۔رفاقت ترک کردینا

موج کترا کے ہم سے چلی جائے گی رخ مخالف ہوا کا بدل جائے گا
جب اشارہ کریں گے میرے ناخدا اپنا بیڑا بھنور سے نکل جائے گا

(۸۵)نظر آنا:دکھائی دینا۔سوجھنا(۲)دھیان میں آنا

سایہ ذات کیوں نظر آئے
نور ہی نور ہے ضیا ہی ہے

(۸۶)نظر پھیر لینا:بے توجہی کرنا۔بے مروتی کرنا(۲)ادھر ادھر نگاہ دوڑانا

ساقیا تیری نگاہ ناز ے کی جان تھی
پھیر لی تو نے نظر تو وہ نشہ ملتا نہیں

(۸۷) نظر جمنا: نگاہ ٹھہرنا۔ بغور دیکھے جانا

مہر خاور پہ جمائے نہیں جمتی نظریں
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

(۹۹) نظر ہونا: پہچان ہونا۔ تمیز ہونا۔ پرکھ ہونا۔ جانچ ہونا (۲) نظر لگنا (۳) توجہ ہونا۔ خیال ہونا۔ دھیان ہونا (۴) علم نجوم میں ایک ستارے کا دوسرے ستارے پر اثر انداز ہونا (۵) توقع ہونا

نظر پہ کسی کی نظر ہو رہی ہے
مری چشم کان گوہر ہو رہی ہے

(۱۰۰) نیچا دکھانا: مغلوب کرنا۔ ذلیل کرنا (۲) شرمندہ کرنا۔ غرور ڈھانا

تیری چوکھٹ پہ جو سر اپنا جھکا جاتے ہیں
ہر بلندی کو وہی نیچا دکھا جاتے ہیں

(۱۰۱) نیند آ جانا، آنا: سو جانا۔ سونے کی خواہش ہونا

ترے دامن کرم میں جسے نیند آ گئی ہے
جو فنا نہ ہوگی ایسی اسے زندگی ملی ہے

و

(۱۰۲) وجد کرنا: بیخود ہو کر جھومنا

رب سلم وہ فرمانے والے ملے کیوں ستاتے ہیں اے دل تجھے وسوسے
پل سے گزریں گے وجد کرتے ہوئے کون کہتا ہے پاؤں پھسل جائے گا

(۱۰۳) وقف ہونا: خدا کے نام پر چھوڑا جانا۔ کسی کی ملکیت نہ ہونا (۲) کسی کام میں اس قدر مصروف ہونا کہ کسی اور طرف متوجہ نہ ہو سکنا۔ جو کام کرنا اسی کا ہو جانا

جہاں کی بگڑی اسی آستاں پہ بنتی ہے
میں کیوں نہ وقف در آنجناب ہو جاؤں

ہ

(۱۰۴) ہوا دینا: پنکھے یا دامن سے ہوا دینا (۲) ہوا میں رکھنا۔ کسی چیز کو ہوا کھلانا (۳) آگ کو ہوا سے سلگانا۔ آگ کو بھڑکانا۔ (۴) اشتعال دینا۔ اکسانا

دیجئے میری محبت کو ہوا
اس طرف چشم محبت کیجئے

(۱۰۵) ہل جانا: (۱) متحرک ہو جانا۔ لرز جانا۔ کانپ جانا۔ تھرا جانا (۲) مانوس ہو جانا۔ خوگر ہو جانا

فرقت مدینہ نے وہ دیئے مجھے صدمے
کوہ پر اگر پڑتے کوہ بھی تو ہل جاتا

ی

(۱۰۶) یاد آنا۔ یاد پڑنا۔ یاد ہونا: خیال میں آنا۔ ذہن میں آنا۔ ذہن نشیں ہونا۔ معلوم ہونا۔ از بر ہونا۔ حفظ ہونا

مر کے بھی دل سے نہ جائے الفت باغ نبی
خلد میں بھی باغ جاناں یاد آئے خیر سے

یاد آتا ہے وقت غم اختر
رخصت غم گسار کا عالم

(۱۰۷) یاد میں ڈوبنا: کسی کے خیال میں رہنا

ڈوبے رہتے ہیں تیری یاد میں جو شام و سحر
ڈوبتوں کو وہی ساحل سے لگا جاتے ہیں

☆☆☆

امام المتکلمین حضرت مولانا نقی علی خان پر

''جواہر البیان'' کے حوالے سے دیوبندی اعتراض کا جواب

میثم عباس قادری رضوی، لاہور، پاکستان

''۔۔۔۔۔۔آدم علیہ السلام کا زمین میں اُترنا بھی صورتِ قہر میں لُطف تھا اور اُن پر جو عتاب ہوا وہ بھی لطف تھا، باقی عَصٰی اٰدَمُ فرمانا یہ محبوبانہ انداز ہے، محبوب اپنے عشاق کو جو چاہے کہہ لیتے ہیں کبھی عاصی، کبھی غاوی بلکہ عاشق بھی محبوب کو''ظالم'' یا ''ستمگر'' کہہ لیتا ہے جس سے وہ بُرا نہیں مانتا، مگر براہِ مہربانی آپ ان سُنے ہوئے الفاظ کی نسبت اپنی طرف بطور نقل بھی نہ کریں ورنہ آپ کے عصا لگے گا، بعض لوگوں کو سنے ہوئے الفاظ کی نقل کا شوق ہوتا ہے مگر اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔۔۔۔۔''

بدنامِ زمانہ اور دجل وفریب میں مہارتِ تامہ رکھنے والے مولوی ابوایوب دیوبندی نے اپنی بدنام زمانہ کتاب ''دست وگریبان'' میں مفتی احمد یار خان نعیمی کا ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خود چمارہے ذلیل ہے (جاءالحق، ص ۴۲۰، بحث عقائد دیوبندی واسلامی)''

(دست وگریبان، جلد ۳، صفحہ ۱۲۲، مطبوعہ دارالنعیم، حق سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور)

اس کے بعد دیوبندی معترض، اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کے مصرعے کا ذکر کر کے حضرت مولانا نقی علی خان کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''فاضل بریلوی کا باپ لکھتا ہے: موسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسلام پر وحی ہوئی۔ اے موسیٰ! جب تو مجھے یاد کرے اس حال پر یاد کر کہ تو اپنے اعضا توڑتا ہو اور میری یاد کے وقت خاشع وساکن ہوجا اور جب مجھے یاد کرے اپنی زبان کو دل کے پیچھے کر اور جب میرے روبرو کھڑا ہو بندۂ ذلیل کی طرح کھڑا

ہو(جواہر البیان،ص ۷۴)''

(دست و گریبان، جلد ۳، صفحہ ۱۲۲، مطبوعہ دار النعیم، حق سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور)

مولوی ابوایوب دیوبندی ''جاء الحق'' اور ''جواہر البیان'' کے مندرجہ بالا اقتباسات نقل کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اب بتائیں کیا ''جاء الحق'' کا فتوی مفتی احمد یار نعیمی نے جو لکھا ہے، وہ فاضلِ بریلوی اور اس کے والدِ گرامی کے اوپر لگتا ہے یا نہیں۔ تو اگر ''جاء الحق'' درست اور صحیح ہے تو فاضلِ بریلوی اور اس کے والد کو چمار اور ذلیل کہہ دیں''

(دست و گریبان، جلد ۳، صفحہ ۱۲۳، مطبوعہ دار النعیم، حق سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور)

قارئین آپ نے ملاحظہ کیا کہ یہاں مولوی ابوایوب دیوبندی یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے والدِ گرامی امام المتکلمین حضرت علامہ مولانا نقی علی خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف سے ''ذلیل'' لکھا ہے۔ نعوذ باللہ۔

جواب:

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اللہ کریم اپنے محبوب بندوں کے لیے اگر کوئی خاص کلمہ استعمال فرمائے تو مخلوق کو یہ حق نہیں کہ وہ بھی ان محبوب بندوں کے حق میں اس خاص کلمہ کا استعمال بطور اساءَ کرے۔ ہاں اسے بوقتِ ضرورت، بطورِ حکایت نقل کیا جاسکتا ہے۔ دیوبندی فرقہ میں حکیم الامت اور مجدد سمجھے جانے والے مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے اپنے وعظ ''العید والوعید'' میں تو یہاں تک کہا ہے کہ:

''آدم علیہ السلام کا زمین میں اُترنا بھی صورتِ قہر میں لُطف تھا اور اُن پر جو عتاب ہوا وہ بھی لطف تھا، باقی عَصٰی اٰدَمُ فرمانا یہ محبوبانہ انداز ہے، محبوب اپنے عشاق کو جو چاہے کہہ لیتے ہیں کبھی عاصی، کبھی غاوی بلکہ عاشق بھی محبوب کو ''ظالم'' یا ''ستمگر'' کہہ لیتا ہے جس سے وہ بُرا نہیں مانتا، مگر براہِ مہربانی آپ ان سُنے ہوئے الفاظ کی نسبت اپنی طرف بطور نقل بھی نہ کریں ورنہ آپ کے عصا لگے گا، بعض لوگوں کو سنے ہوئے الفاظ کی نقل کا شوق ہوتا ہے مگر اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا''

(نظامِ شریعت، صفحہ ۲۶۸، مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ، فیروزپور روڈ، لاہور)

مذکورہ اقتباس میں مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے بطورِ نقل بھی ان الفاظ کے بیان کی اجازت نہیں دی جو انبیائے علیہم السلام کے بارے میں سخت محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی دوسری کتاب میں تھانوی صاحب نے اپنے امام مولوی اسماعیل دہلوی کی طرف سے انبیائے علیہم السلام کے بارے میں استعمال کیے گئے گستاخانہ الفاظ کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے:

''تقویۃ الایمان میں بعض الفاظ جو سخت واقع ہو گئے ہیں تو اس زمانہ کی جہالت کا علاج تھا، جس طرح قرآنِ مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کو اِلٰہ

ماننے والوں کے مقابلہ میں: قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔الخ ((آپ یوں پوچھیے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں توکوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے)) فرمایا ہے''

(امداد الفتاویٰ، جلد ۵، صفحہ ۳۸۳، مطبوعہ ادارہ اشرف العلوم، مولوی مسافر خانہ، کراچی)

مذکورہ بالا اقتباس میں مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمائے گئے ان الفاظ (جن کو خود مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے سخت قرار دیا ہے) کو بنیاد بنا کر مولوی اسماعیل دہلوی کے گستاخانہ الفاظ کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ یقیناً یہ مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی کی تضاد بیانی اور دورُخی ہے اور ان کے اس موقف سے ٹکراتی ہے جس میں خود مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمائے گئے الفاظ کو بطورِ نقل بیان کرنے سے بھی منع کیا ہے، جیسا کہ آپ نے مولوی اشرفعلی تھانوی کی کتاب ''نظامِ شریعت'' میں شامل وعظ ''العید والوعید'' کے حوالے سے ملاحظہ کیا ہے۔

اب مولوی ابوایوب دیوبندی کے اعتراض کے جواب کی طرف آیئے۔

۱۔ مولوی ابوایوب دیوبندی نے ''جواہر البیان'' کے حوالے سے جو اقتباس نقل کیا ہے اس کے شروع سے درج ذیل یہ فقرہ نقل نہیں کیا:

''امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه فرماتے ہیں''

اس فقرہ کو نقل نہ کرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر خائن مولوی ابوایوب دیوبندی مندرجہ بالا فقرہ بھی نقل کر دیتا تو معلوم ہوجاتا کہ حضرت مولانا نقی علی خان پر اس کا الزام نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ آپ نے اسے حضرت امام غزالی سے نقل کیا ہے، اور دیوبندی مذہب کے اُصول کے مطابق ناقل پر الزام نہیں لگ سکتا۔ اس اُصول کو باحوالہ آگے بیان کیا جائے گا۔

۲۔ جو اقتباس مولوی ابوایوب دیوبندی نے نقل کیا ہے اس کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں:

''موسیٰ علیہ و علٰی نبیّنا الصلاۃ و السلام پر وحی ہوئی''

ان الفاظ سے مولوی ابوایوب دیوبندی کو معلوم ہوجانا چاہیے تھا کہ ''جواہر البیان'' کے جس لفظ ''ذلیل'' پر میں اعتراض کر رہا ہوں وہ مولانا نقی علی خان نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے ارشاد فرمایا ہے۔ اس لیے مجھے لفظ ''ذلیل'' کی وجہ سے مولانا نقی علی خان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے، لیکن مولوی ابوایوب دیوبندی دجل سے باز نہ آیا۔

مولوی ابوایوب دیوبندی جاہل یا خائن وبددیانت؟ فیصلہ قارئین پر:

اب دو ہی صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

یہ ہے کہ دیوبندی مزعومہ مناظر مولوی ابوایوب دیوبندی نے ''انشاء'' اور ''حکایت'' میں فرق نہ سمجھتے ہوئے جہالت کی وجہ سے مولانا نقی علی خان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ''ذلیل'' کالفظ استعمال کیا ہے۔نعوذ باللہ۔

دوسری صورت:

یہ ہے کہ مولوی ابوایوب دیوبندی نے یہ جاننے کے باوجود کہ

۱۔ مولانا نقی علی خان نے اسے امام غزالی سے بطورِ حکایت نقل کیا ہے۔

اور

۲۔ امام غزالی نے اللہ تعالیٰ کے اپنے پیغمبر کے بارے کہے گئے الفاظ نقل کیے ہیں،جن میں لفظ ''ذلیل'' بھی موجود ہے۔

ان دونوں باتوں کو جاننے کے باوجود مولوی ابوایوب دیوبندی نے بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے یہود یانہ ذوق کی تسکین کے لیے مولانا نقی علی خان پر اعتراض کیا ہے۔

اب یہ فیصلہ قارئین پر ہے کہ مولوی ابوایوب دیوبندی کو جاہل قرار دیتے ہیں یا بد دیانت۔

''جواہرالبیان'' کے جس اقتباس پر اعتراض کیا گیا ہے وہ ''احیاء العلوم'' سے نقل کیا گیا ہے:

۳۔ مولوی ابوایوب دیوبندی کے اعتراض کے بعد جب

''۔۔۔قارئین !آپ نے فرق ملاحظہ کیا کہ مولانا نقی علی خان نے ''ذلیل'' کالفظ حکایتاً نقل کیا ہے اور مولوی ندیم الواجدی دیوبندی نے ''ذلیل وخوار'' کا۔لہٰذا مولوی ابوایوب دیوبندی کو چاہیے کہ اپنے اعتراض کے مطابق حضرت امام غزالی ،مولوی ندیم الواجدی دیوبندی اوراس کتاب کے دیوبندی ناشرین کے بارے میں بھی لکھے اورچھاپے کہ انہوں نے اللہ کے نبی کو''ذلیل'' کہا ہے۔۔۔۔۔''

راقم نے حضرت امام غزالی کی کتب میں تلاش کیا تو''احیاءالعلوم'' میں یہ حکایت مل گئی۔

ذیل میں ملاحظہ کیجیے کہ اِسی حکایت کا ترجمہ مولوی ندیم الواجدی دیوبندی، فاضلِ دیوبند نے کن الفاظ میں کیا ہے:

''اے موسیٰ!جب تو میرا ذکر کرے تو اپنے ہاتھ جھاڑ لے (یعنی تمام کاموں سے فارغ ہوکر میرا ذکر کر) اور میرے ذکر کے وقت خشوع وخضوع اوراطمینان وسکون سے رہ اور جب میرا ذکر کرے تو اپنی زبان اپنے دل کے پیچھے کرلے اورجب میرے سامنے کھڑا ہو تو''ذلیل وخوار'' بندے کی طرح کھڑے ہو''۔

(احیاء العلوم، جلد ۱، صفحہ ۲۹۷، تیسرا باب، نماز کی باطنی شرائط، مطبوعہ دارالاشاعت، ایم اے جناح روڈ، اُردو بازار، کراچی)

(نوٹ: قوسین میں درج الفاظ بھی مترجم کے ہیں)

قارئین! آپ نے فرق ملاحظہ کیا کہ مولانا نقی علی خان نے ''ذلیل'' کا لفظ حکایتاً نقل کیا ہے اور مولوی ندیم الواجدی دیوبندی نے ''ذلیل وخوار'' کا۔ لہٰذا مولوی ابوایوب دیوبندی کو چاہیے کہ اپنے اعتراض کے مطابق حضرت امام غزالی، مولوی ندیم الواجدی دیوبندی اور اس کتاب کے دیوبندی ناشرین کے بارے میں بھی لکھے اور چھاپے کہ انہوں نے اللہ کے نبی کو ''ذلیل'' کہا ہے۔

معتبر دیوبندی علما کے بیان کردہ اُصول کے ذریعے مولوی ابوایوب دیوبندی کے اعتراض کا جواب:

۴۔ مولوی الیاس گھمن دیوبندی نے مولوی ابوایوب دیوبندی کو اپنی تنظیم کی طرف سے مناظر تو مقرر کردیا ہے لیکن یہ اہم اصول موصوف کو نہ سکھایا کہ:

''ناقل پر فتوی نہیں لگایا جاتا''۔

اس کی مختصر وضاحت عرض کرتا ہوں۔

☆ مولوی الیاس گھمن دیوبندی نے اپنی تقریر میں یہ اُصول بیان کیا ہے کہ:

''ناقل پر فتوی نہیں لگاتے''

(خطباتِ برما، صفحہ ۸۳، مطبوعہ مکتبۃ اہل السنۃ والجماعۃ، ۸۷-جنوبی، لاہور روڈ، سرگودھا)

☆ دیوبندی مذہب کے مشہور شکست خوردہ مناظر مولوی طاہر گیاوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''تیسری بات جو خاص طور سے اس جگہ قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ قاری محمد طیب صاحب نے ان اقتباسات میں جو کچھ پیش کرنا چاہا ہے وہ ان کی اپنی بات نہیں ہے بلکہ علامہ عبدالغنی نابلسیؒ سے انہوں نے اس کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے، لہٰذا قاری محمد طیب صاحبؒ کی حیثیت صرف ناقل کی ہے، قائل کی نہیں۔ لہٰذا جو فتوی اس پر لگایا جائے گا وہ اصل قائل پر چسپاں ہوگا نہ کہ ناقل پر''

(بریلویت کا شیش محل، صفحہ ۱۳۱، مطبوعہ کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)

☆ مولوی عبدالقدوس قارن دیوبندی بن مولوی سرفراز گکھڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''ناقل کے ذمہ صرف صحتِ نقل ہے''

(مجذوبانہ واویلا، صفحہ ۱۹۴، مطبوعہ مکتبہ صفدریہ، مدرسہ نصرۃ العلوم، گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ)

دیوبندی مذہب کے ان تینوں علما کے حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ''ناقل پر فتوی نہیں لگاتے''۔ اُمید ہے کہ مولوی ابوایوب دیوبندی، اگر دیوبندی علما کے بیان کردہ اس اُصول (ناقل پر فتوی نہیں لگتا) سے جاہل تھے تو اب یقیناً واقف ہوگئے ہوں گے، لہٰذا ان کو چاہیے کہ ''جواہر البیان'' کے حوالے سے کیے گئے اعتراض سے رجوع کریں۔

عجلت اور تنگیِ وقت کے باعث اتنا ہی لکھ سکا ہوں، ضرورت محسوس ہوئی تو مزید بھی لکھا جاسکتا ہے، لیکن فی الحال اسی پر اکتفا کریں۔

نوٹ: یہ مقالہ پہلی بار ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف، بابت اکتوبر ۲۰۱۹ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے، اس اشاعت میں کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

□□□

نغمۂ عقیدت

حضرت علامہ سلمان فریدی صدیقی مصباحی مسقط عمان

علم و حکمت سے چمکدار رضا کا گھر ہے
عشق و عرفاں سے ضیابار رضا کا گھر ہے

جگمگاتے ہیں یہاں کتنے ہی خورشید و ہلال
واہ کیا چرخِ طرحدار رضا کا گھر ہے

حامدؔ و نوریؔ جیلانیؔ و اخترؔ و سبطینؔ
ایسے لعلوں سے گراں بار رضا کا گھر ہے

ایسے روشن ہوئے حسنینؔ و حسنؔ اور تحسینؔ
ہاں قمرؔ کی طرح ضو بار رضا کا گھر ہے

شمعِ ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے
تا ابد عشق کی دیوار، رضا کا گھر ہے

جس کے پھولوں میں بسی عشقِ نبی کی خوشبو
خُلدِ ایماں کا وہ گلزار، رضا کا گھر ہے

وہ منور ہوا، جس نے بھی عقیدت رکھی
ایسا اک مرکزِ انوار رضا کا گھر ہے

امجدؔ و حشمتؔ و برہانؔ و محدث اعظم
سب کے افکار کا معمار رضا کا گھر ہے

بڑھ گئی جس سے نعیمؔ اور ظفرؔ کی شوکت
قاسمِ عظمتِ کردار رضا کا گھر ہے

اہل سنت کے لئے علم و ہدایت کا چراغ
نجد پر، برق شرر بار رضا کا گھر ہے

اس رسالے کا یہ نمبر ہے اسی باغ کے نام
ایسے نذرانے کا حقدار رضا کا گھر ہے

بھائی اشرفؔ پہ نہ آئے گی کبھی غم کی تپش
اِن پہ اک سایۂ غمخوار رضا کا گھر ہے

اِس کے ہر ایک معاون پہ کرم ہوگا ضرور
اہل الفت کا مددگار رضا کا گھر ہے

رب تعالیٰ اسے تا حشر سلامت رکھے
عالم عشق کا مینار رضا کا گھر ہے

اے فریدیؔ جہاں پژمردہ ہیں طوفاں کے بدن
عزم و ہمت کا وہ کوہسار رضا کا گھر ہے

□□□

منقبت

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ

محبوب گوہر اسلام پوری، مبائل نمبر 9934775291

ہے حرا کے نور سے معمور ایوانِ رضا
اس لئے روشن ہے یوں شمعِ شبستانِ رضا

سارے سنی مل کے بھی بدلہ چکا سکتے نہیں
ہے جہانِ سنیت پر اتنا احسانِ رضا

خوش عقیدہ آدمی ہونا نہایت شرط ہے
ورنہ برسے گا کہاں سے ابرِ فیضانِ رضا

جاہ و حشمت چومتی ہے آکے روزانہ قدم
تاجداروں سے نہیں ہیں کم غلامانِ رضا

ہر گھڑی احقاقِ حق، ابطالِ باطل کے لئے
برسرِ پیکار رہتے ہیں غلامانِ رضا

اپنی نسلوں کے لئے بھی یہ دعا کرتے ہیں ہم
یا الٰہی ہاتھ سے چھوٹے نہ دامانِ رضا

باغیانِ اہل سنت دیکھتے رہ جائیں گے
خلد میں جائیں گے جس دم ہم محبانِ رضا

آج کا سائنس داں جب ورطۂ حیرت میں ہے
عام انساں کیا سمجھ پائے گا پھر شانِ رضا

کیوں رضا پر ساری دنیا کر رہی ہے جاں نثار
کاش اتنا ہی سمجھ جاتے حریفانِ رضا

عرس رضوی ہو کہ عرس نوری یا پھر حامدی
خوش نصیب افراد ہی بنتے ہیں مہمانِ رضا

دیکھا کرتی ہے خزاں چشمِ حسد سے بار بار
ہیں شگفتہ پھر بھی گلہائے خیابانِ رضا

لذتِ عشقِ نبی سے آشنا ہو جائے گا
پڑھ کے دیکھے تو کوئی اشعارِ دیوانِ رضا

اشتہاروں میں اگر لکھئے کبھی گوہرؔ کا نام
نام سے پہلے لگا دیجے ثناخوانِ رضا

□□□

بریلوی ترانہ

ازقلم: سیداولادِرسول قدسی مصباحی نیویارک (امریکہ)

وفا شعار حق بنیں گے ہم بریلوی سدا
بریلوی تھے ہیں رہیں گے ہم بریلوی سدا

ہے مسلک رضا عقیدہ و عمل کا پاسباں
ہے سانس جب تلک کہیں گے ہم بریلوی سدا

تمہارا حشر ہو گا کیا یہ سوچ لوا ے حاسدو
ضرور خلد میں بسیں گے ہم بریلوی سدا

مباحثے کے وقت کر کے لاجواب و بدحواس
مخالفوں سے یوں لڑیں گے ہم بریلوی سدا

بڑے بزرگ کی وصیتوں کے ہم امین ہیں
رضا کے نام پر جئیں گے ہم بریلوی سدا

وہابیہ دیابنہ کا رنگ اُڑتا جائے گا
رضا کا ذکر یوں کریں گے ہم بریلوی سدا

رضا نے جو نصب کیا ہے دین حق کا یہ علم
اسے عروج پر رکھیں گے ہم بریلوی سدا

ہمارے حوصلوں کو کون ہے جو پست کر سکے
سوئے ظفر یوں ہی بڑھیں گے ہم بریلوی سدا

لپٹ کے ہم رضا کے دامنِ کرم سے تا حیات
نبی کے عشق میں مریں گے ہم بریلوی سدا

زمین کیا ہے قدسیؔ آسماں بھی جھوم جائے گا
رضا کی نعت یوں پڑھیں گے ہم بریلوی سدا

□□□

دھوپ میں سایۂ دیوار تھے استاد زمن

عشقِ آقا میں گرفتار تھے استاد زمن
واصفِ سید ابرار تھے استاد زمن

ان کے اشعار سنا کرتے تھے اعلیٰ حضرت
سوچئے کتنے طرح دار تھے استاد زمن

داغ کہتے تھے جنھیں پیار سے پیارے شاگرد
ہاں وہی صاحبِ معیار تھے استاد زمن

جو شریعت کے اصولوں پہ چلا کرتا تھا
اس کے تاعمر طرف دار تھے استاد زمن

الجھنیں دور وہ کر دیتے تھے پل میں سب کی
دھوپ میں سایۂ دیوار تھے استاد زمن

ان کی یادوں کے دریچے میں تھی نعتوں کی مہک
واقعی حامل افکار تھے استاد زمن

ان کی تصنیف کی تعداد ہے لگ بھگ سترہ
اعلیٰ درجے کے قلمکار تھے استاد زمن

ناز فرماتے تھے جن پر مرے اعلیٰ حضرت
عشق و الفت کے وہ مینار تھے استاد زمن

ان کی تو گذری ہے مداحِ سرور میں حیات
اپنے آقا کے وفادار تھے استاد زمن

اس سے بڑھ کر بھی سعادت ہو بھلا کیا اشرفؔ
عاشق سیدِ ابرار تھے استاد زمن

□□□

کرم کی آس لگا کر بریلی جا پہنچا

محمد اشرف رضا اشرفؔ

بفضل خالق اکبر بریلی جا پہنچا
میں کرنے دل کو منور بریلی جا پہنچا

جہاں بھی ذکر ہوا میرے اعلیٰ حضرت کا
پرندہ فکر کا اُڑ کر بریلی جا پہنچا

ہے عرس رضوی کا آئینہ عرسِ سبطینی
عقیدتوں کو سجا کر بریلی جا پہنچا

شبیہ مفتیِ اعظم کا فیض لینے کو
کرم کی آس لگا کر بریلی جا پہنچا

میں اپنے محسن و مرشد کا دیکھنے روضہ
ادب کا سُرمہ لگا کر بریلی جا پہنچا

چمن شگفتہ رہے میرے اعلیٰ حضرت کا
دعائیں مانگتا احقر بریلی جا پہنچا

حضور امین شریعت کی جب بھی یاد آئی
تو یہ فقیر تڑپ کر بریلی جا پہنچا

رضا کے مرقدِ انور کے واسطے اشرفؔ
لئے گلاب کی چادر بریلی جا پہنچا

□□□

منقبتِ امام احمد رضا

شفیق رائے پوری، جگدپور بستر چھتیس گڑھ انڈیا، موبائل:+91 94060-78694

سراپائے عشقِ نبی اعلیٰ حضرت
نہیں آپ جیسا کوئی اعلیٰ حضرت

نبی کی طرف رہبری اعلیٰ حضرت
تری راہ راہِ نبی اعلیٰ حضرت

نہ ہے استعارہ نہ تشبیہ کوئی
جواب اپنا خود آپ ہی اعلیٰ حضرت

احادیث و قرآن کی روشنی سے
مزین تری شاعری اعلیٰ حضرت

عطا کر دو جامِ فصاحت خدارا
ادھر بھی ہے تشنہ لبی اعلیٰ حضرت

فتاویٰ جو پڑھ لے تو دشمن بھی بولے
ہیں احمد رضا واقعی اعلیٰ حضرت

ہے مسلک ترا مذہبِ بوحنیفہ
تری پیروی پیروی اعلیٰ حضرت

کبھی نجدیت میرے آگے نہ آئی
تری چھاپ ایسی پڑی اعلیٰ حضرت

کھلی چاندنی کو بھی شرما رہی ہے
ترے علم کی روشنی اعلیٰ حضرت

محدث، مفسر، مجدد، مدبر
مِرے پیر و مرشد ولی اعلیٰ حضرت

تمہارے ہی مسلک پہ زندہ رہوں میں
اسی پر ملے موت بھی اعلیٰ حضرت

مریدی مریدی کی تم رٹ لگانا
نبی جب کہیں امتی اعلیٰ حضرت

بہت سال گزرے مِری حاضری کو
بلا لیجئے پھر کبھی اعلیٰ حضرت

شفیق آئے جب جب تمہاری گلی میں
بُہارے تمہاری گلی اعلیٰ حضرت

□□□

منقبت
سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ

از: محمد شاہد رضا، شاہجہاں پوری

نہیں کہتے ان کو یوں ہی اعلیٰ حضرت
ہیں احمد رضا واقعی اعلیٰ حضرت

بہت بڑھ گئی بے کلی اعلیٰ حضرت
مٹا دیجے دل کی لگی اعلیٰ حضرت

تو قطرے کے سائل کو دیتا ہے ساگر
یہ ہے تیری دریا دلی اعلیٰ حضرت

طلب کے ہیں سوکھے ہوئے دھان ہم سب
کرم کی ہیں جل تھل ندی اعلیٰ حضرت

نہیں دورِ حاضر میں جن کا مماثل
ہیں ایسے فدائے نبی اعلیٰ حضرت

ابو بکر و عثماں عمر کے فدائی
ہیں شیدائے مولیٰ علی اعلیٰ حضرت

قبول آپ کر لیں یہی آرزو ہے
یہ کاوش مری بے تکی اعلیٰ حضرت

عقیدہ یہی ہے ہم اہلِ سنن کا
خدا کے ہیں پیارے ولی اعلیٰ حضرت

تمہیں چھوڑ کر ریل اپنی جگہ سے
نہ آگے نہ پیچھے ہٹی اعلیٰ حضرت

نہیں تھا نہ ہے اور نہ ہوگا اے شاہدؔ
رضا کے سوا اور کوئی اعلیٰ حضرت

□□□

نغمۂ عقیدت

محمد شبیر قادری سحرؔ اورنگ آبادی

بلندی پہ کس طور شانِ رضا ہے
کہ جو اونچا ہے قدردانِ رضا ہے

پُر اسرار ہے خانوادہ رضا کا
پر از علم و حکمت جہانِ رضا ہے

ہو قرآن و سنت یا فقہ و فتاویٰ
بڑا کارنامہ، نشانِ رضا ہے

پڑھی سرگزشت آج تو رو پڑے ہم
کہ پر سوز و غم داستانِ رضا ہے

جو ملت کی کشتی سنبھالے ہوئے ہیں
انہیں میں سے اک بادبانِ رضا ہے

کوئی اعلیٰ حضرت کا کچھ کیا بگاڑے
شہِ بطحا جب مہربانِ رضا ہے

یہ کس نے کہا، ہے ہمارا فقط بس
بچھا سب کی خاطر یہ خوانِ رضا ہے

جو منکر ہو خدماتِ احمد رضا کا
نہیں کچھ وہ بس بدگمانِ رضا ہے

عدو کے لیے تو ہے کلکِ رضا تیر
قلمندان، ترکش، کمانِ رضا ہے

بڑے سے بڑے بولتے چپ ہوئے ہیں
چلی جس گھڑی بھی زبانِ رضا ہے

حسنؔ، مصطفیٰؔ، حامدؔ، اخترؔ کہ سبطینؔ
بڑا علمی اک خاندانِ رضا ہے

امین شریعت سہ ماہی مجلہ
اک اعلیٰ تریں ترجمانِ رضا ہے

یہ باتیں سحرؔ کی طرف سے نہیں، ہاں!
یہ سب نغمۂ مطربانِ رضا ہے

□□□

منقبت
سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ

محمد فرقان فیضی ابن نعمت رضوی متعلم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی 9122554310

حب سرکار سے سرشار ہیں اعلیٰ حضرت
عاشق سید ابرار ہیں اعلیٰ حضرت

جو سمجھنے سے سبھی اہل خرد ہیں قاصر
ایسے ایسے ترے افکار ہیں اعلیٰ حضرت

عشق سرکار میں جی جان لٹانے کیلئے
بچے بچے ترے تیار ہیں اعلیٰ حضرت

ان کے ہر لفظ سے الفت کی مہک آتی ہے
جو ترے نعتیہ اشعار ہیں اعلیٰ حضرت

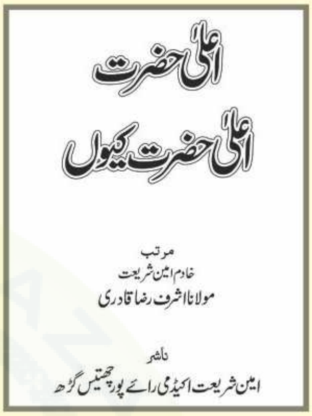
کوئی میدان ہو وہ مات نہیں کھا سکتے
آپ کے جو بھی وفادار ہیں اعلیٰ حضرت

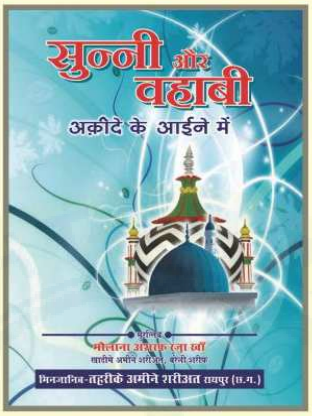
ان کو دنیا کی کوئی چیز شفا کیا دے گی
جو ترے عشق کے بیمار ہیں اعلیٰ حضرت

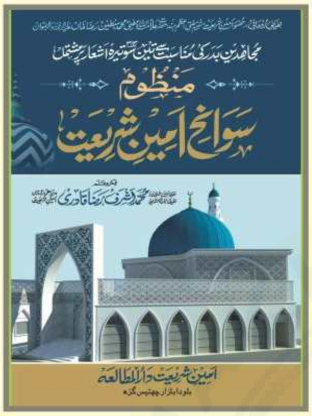
ان کو فیضیؔ بھی نہیں چین سے جینے دے گا
جو یہاں آپ کے غدار ہیں اعلیٰ حضرت

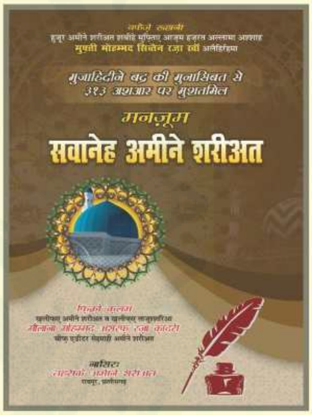
□□□

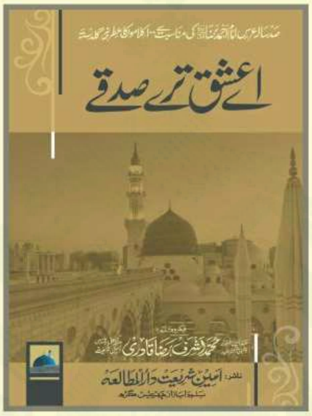
حضرت مولانا اشرف رضا قادری کی اب تک کی کاوشات

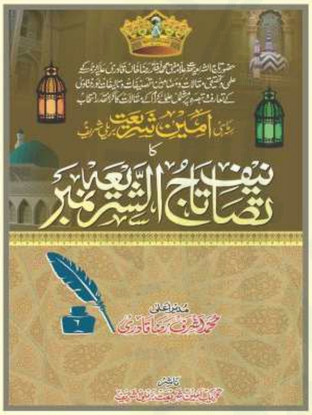




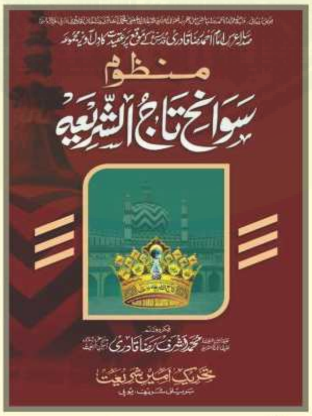


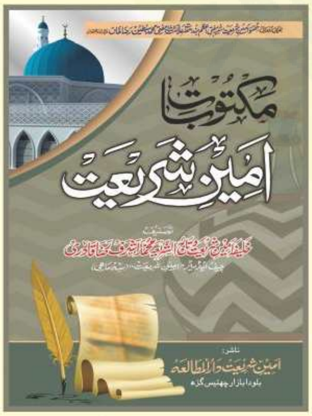












- خطبات امین شریعت
- کرامات امین شریعت
- امین شریعت اور حکمت
- استاد زمن نمبر
- مقالات حسینی
- مناقب امین شریعت

Design & Printed: Ahmad Publications Pvt. Ltd. Patna #8521889323